ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تنقیدی رجحانات

تجزیہ و تنقید

محمد آصف وٹو



ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تنقیدی رجحانات

(تجزیہ و تنقید)

محمد آصف وٹو

❖

مرا وجود ہے تخلیقِ زندگی کا بھرم
میں کائنات کے پیکر میں ہوں رگوں کی طرح

(سیّد شبیہ الحسن)

❖

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تنقیدی رجحانات

(تجزیہ و تنقید)

محمد آصف وٹو

اظہار سنز

۱۹۔ اُردو بازار لاہور

۲۰۰۷ء

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تنقیدی رجحانات

محمد آصف وٹو

ناشر

سید محمد علی انجم رضوی

طابع

سیّد اظہار الحسن رضوی

مطبع

اظہار سنز پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور

کمپوزنگ

تصور کمپوزنگ سنٹر

قیمت ۲۰۰ روپے

یکے از مطبوعات

اظہار سنز ۱۹ ـ اُردو بازار، لاہور (فون:۷۲۳۰۱۵۰ـ۰۴۲)

انتساب

محترم سلطان محمود (مرحوم)، امّی، ابّو، فاطمہ

اور

جناب عرفی ہاشمی صاحب

کے نام

❖

انتساب

ڈاکٹر صاحب کے ایک مدّاح

جناب شیخ کامران مہدی صاحب

کے نام

مندرجات

—— ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں نفسیاتی عوامل —— ادیب کی نفسیاتی کشمکش، مشکلات اور ذہنی محرکات کا کھوج لگانا —— ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تاثراتی تنقید سے دلچسپی —— ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں وسعت نظری —— علوم متداولہ پر گرفت —— ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید میں گہرائی اور گیرائی کے عناصر —— ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تاریخی تنقید سے دلچسپی اور اُس کے مختلف مظاہر —— ڈاکٹر شبیہ الحسن کی اسلوبیاتی تنقید سے دلچسپی کے محرکات —— ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا تنقیدی اسلوب اور اس کے اثرات —— ڈاکٹر سید شبیہ الحسن، جدید تنقیدی رویوں کے علمبردار

باب چہارم

◆◆◆

گزارشِ احوالِ واقعی

بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں جن اُردو ناقدین نے شہرت اور اعتبار کی سند حاصل کی ان میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے تنقید کے جدید و قدیم دبستانوں کا عمیق نگاہی سے مطالعہ کیا اور اپنی افتادِ طبع کے باعث اس میں نئی راہیں نکالیں۔ اس کتاب میں بنیادی طور پر اسی بات کا کھوج لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اُردو تنقید کے دامن کو اپنے افکار و نظریات سے کس طرح مالا مال کیا ہے؟

اس کتاب کو راقم الحروف نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اوّل میں ڈاکٹر صاحب کے سوانحی کوائف پیش کیے گئے ہیں اور ان کی شخصیت کے اختصاصی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ راقم الحروف نے سخت محنت کے بعد عصرِ حاضر کے نامور ناقدین، محققین، شاعروں اور دانش وروں کے ان تاثرات کو بھی یکجا کر دیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فن کا احاطہ کرتے ہیں۔ دوسرے باب میں ڈاکٹر صاحب کے تخلیقی سفر کا تحقیقی، تنقیدی اور نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے راقم الحروف نے ان کی تمام مرتبہ و تخلیقی کتب کا سن وار مطالعہ پیش کر دیا ہے۔ تیسرے باب میں راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب کے تنقیدی اوصاف کا محاکمہ کیا ہے اور اپنی بساط کے مطابق ان خصوصیات کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو ڈاکٹر صاحب کو ہم عصر ناقدین سے منفرد اور ممتاز کرنے کا موجب

ہیں۔ چوتھے اور آخری باب میں اُردو تنقید میں ڈاکٹر صاحب کے مقام و مرتبے کے تعین کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح یہ چاروں ابواب ڈاکٹر سید شبیہ الحسن صاحب کی شخصیت اور ان کے تنقیدی افکار و نظریات کے سمجھنے میں معاون اور مددگار ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی ساری زندگی علم و ادب کی آبیاری کرتے گزر رہی ہے تاہم راقم الحروف کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ ان کی شخصیت کی تمام جہتوں کا احاطہ کر سکے۔ یہی سبب ہے کہ اس کتاب میں آپ کو ان کی تخلیق کا صرف ایک رُخ یعنی ''تنقید'' کے بارے میں چند ابتدائی مباحث ملیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحقیقی، تسویدی، تخلیقی، شعری، صحافتی، تدریسی اور تدوینی رُخوں کا بھرپور مطالعہ کیا جائے تاکہ ان کے محاسن اُجاگر ہو کر صاحبانِ دانش سے داد و تحسین حاصل کر سکیں۔

راقم الحروف کو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن سے بے پناہ عقیدت و ارادت ہے تاہم میں نے اس کتاب کی تشکیل میں اصولِ تنقید کو عقیدت پر قربان نہیں ہونے دیا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے میں نے ایک غیر جانبدار نقاد کی طرح اس کتاب کو تحریر کیا ہے۔ حقیقت میں اس کتاب کی تشکیل ایک خواب تھی اور اس کی تعبیر استاد ذی وقار ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب کے تعاون سے ہوئی۔ ان کے مفید اور کارآمد تکنیکی مشوروں کے باعث میں اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنا سکا ہوں۔ میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اور ان کے اہل و عیال کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر مشکل وقت پر میری دست گیری فرمائی۔ مجھے اُمید ہے کہ قارئین میری اس کاوش کے بارے میں اپنی گراں قدر آرا سے ضرور نوازیں گے۔

محمد آصف وٹو

صدر شعبۂ اُردو

پیک سلوشن کالج

۴۴۔ لوئر مال۔ لاہور، پاکستان

بلغ جنوری ۲۰۰۷ء

موبائل۔ ۰۳۲۱۔۴۴۶۰۰۴۱

❖❖❖

بابِ اوّل

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے سوانحی کوائف اور اعترافات

(اس امر میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ حاضر میں ایسے تخلیق کاروں کی کمی محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو علم و ادب کی ترسیل اور شعر و ادب کی ترویج کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جب تخلیق کار اور محققین و ناقدین ادب کو جزوی طور پر اپناتے ہیں تو اسی طرح کے حالات جنم لیتے ہیں۔ اب یہ بات بلا شک و بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ ادب کی ترویج ایک کل وقتی کام ہے اور جن لوگوں نے اپنی پوری زندگی اس اُصول پر بسر کر دی اُن میں ایک اہم، معتبر اور قابلِ ذکر نام ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کا بھی ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ابھرنے والے ناقدین و محققین کی فہرست مرتب کیجیے تو اس میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا نام سرِ فہرست جگمگاتا ملے گا۔)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی شخصیت اور فن کے جملہ محاسن سے آشنا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے کوائف پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔ اب ذیل میں اُن کے کوائف، اُن کی علمی، ادبی خدمات اور معروف دانشوروں کی آراء پیش کی جا رہی ہیں:

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی شخصیت اور فن کے مبسوط مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے شخصی کوائف مختصراً پیش کر دیے جائیں تا کہ قارئین ان سے بیش از بیش فائدہ اُٹھا سکیں۔

❖ ذاتی کوائف

- نام — سیّد شبیہ الحسن
- قلمی نام — حسن ہاشمی
- تاریخ پیدائش — ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء
- مقامِ ولادت — لاہور

❖ خانوادہ

- دادا — سیّد شبیر حسن صفا الٰہ آبادی
- دادی — سیّدہ صدیقہ بانو
- نانا — سیّد محمد رضا نقوی
- نانی — سیّدہ لطیف النساء
- والد — سیّد وحید الحسن ہاشمی
- والدہ — سیّدہ سرفراز فاطمہ
- برادران — سیّد وصی الحسن (نقاش ہاشمی)
  سیّد شریف الحسن (ایس۔ ایچ ہاشمی)
  سیّد محمد فضل حسن (عرفی ہاشمی)
- بہن — سیّدہ شمع فاطمہ زوجہ سیّد ناصر علی
- زوجہ — سیماب رضوی بنت سیّد احمد حسن رضوی
- اولاد — ایما حسن۔ اشا حسن۔ سیّد وجیہ الحسن

❖ تعلیم

- میٹرک ۱۹۷۴ء گورنمنٹ قزلباش ہائی سکول' لاہور
- ایف۔اے ۱۹۷۶ء گورنمنٹ ایف سی کالج' لاہور
- بی۔اے ۱۹۷۸ء گورنمنٹ ایف سی کالج' لاہور
- ایم۔اے (اردو) ۱۹۸۱ء اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی' لاہور
- ایم۔فل (اردو) ۱۹۹۱ء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' اسلام آباد
- پی ایچ۔ڈی (اردو) ۱۹۹۶ء پنجاب یونیورسٹی' لاہور۔ پاکستان

❖ ملازمت

- اعزازی لیکچرار
(گورنمنٹ ایف سی کالج' لاہور ۔ فروری۱۹۸۲ء تا نومبر۱۹۸۲ء)
- لیکچرار
(گورنمنٹ مولانا ظفر علیخان ڈگری کالج' وزیر آباد ۔ ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۴ء)
- لیکچرار
(گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج قصور ۔ ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۵ء)
- لیکچرار
(گورنمنٹ ایف۔سی کالج' لاہور ۔ ۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۹ء)
- اسسٹنٹ پروفیسر
(گورنمنٹ کالج' لاہور ۔ ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۰ء)
- اسسٹنٹ پروفیسر
(گورنمنٹ ایف۔سی کالج' لاہور ۔ ۱۹۹۱ء)
- ایسوسی ایٹ پروفیسر' صدر شعبہ
(گورنمنٹ ایجوکیشن کالج' فیصل آباد)

- ایسوسی ایٹ پروفیسر

(گورنمنٹ ایجوکیشن کالج لوئر مال، لاہور)

- ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ

(گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ)

- ایسوسی ایٹ پروفیسر

(گورنمنٹ ایف۔سی کالج، لاہور)

- ایسوسی ایٹ پروفیسر

(گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور)

❖ اعزازات

- سند امتیاز ایم۔اے اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
- بہترین مقرر، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- بہترین سوشل ورکر، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- ہاکی کا بہترین کھلاڑی، انٹر کالج ہاکی ٹورنامنٹ، لاہور ڈویژن
- نائب کپتان ہاکی، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- سو میٹر دوڑ میں اوّل، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- ہاکی کپتان، گورنمنٹ قزلباش حسینیہ ہائی سکول، لاہور
- بہترین کھلاڑی، گورنمنٹ قزلباش حسینیہ ہائی سکول، لاہور

❖ اہم عہدے و ذمہ داریاں

- صدر مجلس ادب، گورنمنٹ قزلباش حسینیہ ہائی سکول، لاہور
- صدر انجمن اُردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور
- سٹاف سیکرٹری گورنمنٹ مولانا ظفر علی خان ڈگری کالج، وزیر آباد

- چیئرمین ڈرامیٹک کلب مولانا ظفر علیخان ڈگری کالج، وزیر آباد
- نگران بزم ادب مولانا ظفر علیخان ڈگری کالج، وزیر آباد
- سٹاف سیکرٹری، گورنمنٹ اسلامیہ کالج قصور
- سیکرٹری سوسائیٹز بورڈ گورنمنٹ اسلامیہ کالج قصور
- پراکٹر، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، قصور
- انچارج سیمینار کمیٹی گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- انچارج ٹیوٹوریل گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- سیکرٹری تقریبات گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- صدر انجمن طلبائے قدیم ایم۔اے اردو، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- سٹاف سیکرٹری شعبہ اردو، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- نگران سیمینار لائبریری ایم۔اے اردو گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- نگران تقریبات، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور
- چیئرمین سوسائٹیز، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

❖ تحقیقی کام

تحقیقی مقالات

(الف) ایم۔اے (اردو)

موضوع: "آل رضا کی غزل گوئی"

نگران: ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی

(ب) ایم۔فل (اردو)

موضوع: "آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین"

نگران: ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی

(ج) پی ایچ۔ڈی (اردو)

موضوع: لکھنؤ کی اردو شاعری (۱۹۰۰ء۔۱۹۴۷ء)

نگران: ڈاکٹر سہیل احمد خان

❖ تصانیف

(ا) مطبوعہ

- مفاہیم (مقالات)
- ترجیحات (مقالات) (انعام یافتہ)
- اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (مقالات)
- تصریحات (مضامین)
- آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی (تحقیق تنقید)
- جدید لہجے کا شاعر۔سیف زلفی (شخصیت و فن)
- آغا صاحب (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت و فن)
- شام و سحر کی باتیں (ماہنامہ شام و سحر کے اداریے)
- کلیاتِ حبیب (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی (تحقیق تنقید)
- باقیاتِ آلِ رضا (آلِ رضا لکھنوی کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)
- بجھی وہ شمع...... (نسیم امروہوی کی یاد میں)
- بیسویں صدی کا شعری ادب (انتخاب کلام)
- آیاتِ آمنہ (قیصر بارہوی کے مرثیے کی تدوین)
- العطش (سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کی تدوین)

- منتخب مرثیے (قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تدوین)
- معتبر مرثیے (قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تدوین)
- طاہرین (سید وحید الحسن ہاشمی کی نعتیں، منقبتیں اور سلام کی تدوین)
- جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ (تحقیق و تنقید)
- سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں (نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے)
- سیف زلفی کے مرثیے (سیف زلفی کے مرثیوں کی تدوین)
- قیصر اقلیم مرثیہ۔ قیصر بارہوی (تحقیق و تنقید)
- قیصر بارہوی کے مرثیے (قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کی تدوین)

(ب) زیر طبع

- لکھنو کی اُردو شاعری۔ بیسویں صدی میں (تحقیق)
- اُردو مرثیہ اور دیگر اصناف (تحقیق و تنقید)
- ترغیبات (تحقیقی و تنقیدی مضامین)
- حروف بدن (شاعری)

❖ نگران تحقیقی مقالہ جات

(ایم۔ اے اردو)

- ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق، مماثلتیں واختلافات

سعدیہ شفقت۔ (۱۹۸۹ء۔۱۹۹۱ء)

- عصمت چغتائی اور منٹو، مماثلتیں اور اختلافات

رضا احمد (۱۹۹۳ء۔۱۹۹۱ء)

(ایم۔ فل' اردو)

- ڈاکٹر ظہیر فتح پوری۔ شخصیت وفن

پروفیسر ندیم (۲۰۰۳ء)

- عبیداللہ علیم۔ احوال و آثار

طلعت خورشید (۲۰۰۴ء)

- نسیم امروہوی کی مرثیہ نگاری

پروفیسر جواد عمر (۲۰۰۵ء)

❖ تعلیمی ذمہ داریاں

- ایڈوائزر (اُردو) پنجاب پبلک سروس کمیشن لاہور

ماہر مضمون برائے لیکچرار اُردو و اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

- ممتحن تحقیقی مقالہ جات

اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور' لاہور کالج یونیورسٹی برائے خواتین

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

- مرتب پرچہ جات

پنجاب یونیورسٹی لاہور' گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان' لاہور کالج یونیورسٹی برائے خواتین

❖ اعترافاتِ کارکردگی

- ملک معراج خالد ایوارڈ

بہترین تدریسی خدمات

(بدست چیئرمین لاہور بورڈ ڈاکٹر محمد زکریا بٹ، ۲۰۰۵ء)

- نسیم لیہ ایوارڈ

علمی وادبی خدمات کا اعتراف

(بہترین نقاد برائے سال ۲۰۰۴ء)

- قائداعظم ایوارڈ

بہترین تدریسی خدمات

(بدست ڈاکٹر شوکت علی ڈی پی آئی کالجز پنجاب ۲۰۰۶ء)

- اعتراف خدمت ایوارڈ

بہترین علمی وادبی خدمات

(بدست جناب ظہور منگلہ، چیئرمین انجمن خواجگان تاروالی ۲۰۰۶ء)

❖ صحافتی خدمات

- اعزازی مدیر ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور (۱۹۸۸ء تا حال)

اعزازی مدیر کی حیثیت سے درج ذیل اہم نمبر شائع کیے

- اقبال نمبر
- محرم نمبر
- فیض احمد فیض نمبر
- جعفر طاہر نمبر
- دبیر نمبر
- ظہیر کاشمیری نمبر
- حسن عابد نمبر
- اشاریہ نمبر
- ساحر لودھیانوی نمبر
- آغا سہیل نمبر
- ادبی جائزہ نمبر
- حلقہ ارباب ذوق نمبر
- سیف زلفی نمبر
- فرقان قریشی نمبر
- شیر افضل جعفری نمبر
- عمر فیضی نمبر
- جعفر بلوچ نمبر
- ڈاکٹر سلیم اختر نمبر
- عظیم قریشی نمبر
- قیصر بارہوی نمبر
- صبا اکبرآبادی نمبر
- حمید کوثر نمبر
- سلام نمبر
- ڈاکٹر معراج نیّر نمبر

- معاون مدیر وانچارج ادبی صفحات ہفت روزہ ''احسان'' لاہور
- معاون مدیر پندرہ روزہ ''الایمان'' لاہور
- معاون مدیر ماہنامہ ''راہِ عمل'' لاہور
- نگرانِ اعلیٰ ماہنامہ 'سفینہ' لاہور

❖ رکنیت

- چیئرمین عالمی مجلس ادب پاکستان
- وائس چیئرمین انٹرنیشنل سیرت کونسل پاکستان
- رکن حلقہ ارباب ذوق لاہور
- سیکرٹری حلقہ شعرائے اہل بیتؑ پاکستان
- رکن مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی
- رکن حلقہ حمد و نعت وسلام پاکستان
- رکن انجمن اصلاح زبان
- رکن کنزیومر ایسوسی ایشن آف پاکستان

❖ اساتذہ کرام

- ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب
- ڈاکٹر وحید قریشی صاحب
- ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب
- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب
- ڈاکٹر سہیل احمد خان صاحب
- ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب
- ڈاکٹر عبیداللہ خان صاحب
- ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی صاحب
- ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب
- ڈاکٹر آغا سہیل صاحب
- ڈاکٹر اقبال احمد خان صاحب
- ڈاکٹر آرزو چودھری صاحب

- پروفیسر سجاد حارث صاحب
- پروفیسر مسز نرگس رے صاحبہ
- پروفیسر شلور ہولڈز صاحب
- حضرت قیصر بارہوی صاحب
- سید وحید الحسن ہاشمی صاحب
- عمانوئیل سراج صاحب
- پروفیسر اشفاق سرور صاحب
- سرور حسین شاہ صاحب

❖ اسفار

- متحدہ عرب امارات

❖ مصروفیات

- تدریس
- تنقید
- تحقیق
- شاعری

❖ مقالات (ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحریر کردہ)

- آل رضا کے شعری نظریات

(کراچی، ماہنامہ "افکار" جون ۱۹۸۶ء)

- روایات اور نوجوان

(لاہور، ماہنامہ "نیا پیام" فروری ۱۹۸۷ء)

- اِک چراغ اور بجھا (بیاد نسیم امروہوی)

(لاہور، ماہنامہ "پیام عمل" اپریل ۱۹۸۷ء)

- نسیم امروہوی۔ایک موضوعاتی مطالعہ

(لاہور، ماہنامہ "شام و سحر" مئی ۱۹۸۷ء)

(مشمولہ "ارمغان نسیم" مرتبہ۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، کراچی، ۱۹۹۳ء)

- مرثیے اور ڈرامے کی مماثلتوں کا جائزہ

(لاہور، سہ ماہی صحیفہ اپریل ۱۹۸۷ء)

(لاہور، ماہنامہ شام و سحر ستمبر ۱۹۸۷ء)

(روزنامہ 'جنگ' کراچی)

- ایک منفرد گیت کار...... حفیظ جالندھری

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، مئی ۱۹۸۷ء)

(ملتان، روزنامہ امروز یکم اگست ۱۹۸۷ء)

- نسیم امروہوی (ایک مختصر جائزہ)

(لاہور روزنامہ جنگ ۳۱ مارچ ۱۹۸۷ء)

- مضامین شام و سحر (۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۸ء تک کے مضامین کی فہرست)

(لاہور، ماہنامہ شام و سحر مارچ ۱۹۹۰ء)

- مرثیے اور قصیدے کی بعض مماثلتوں کا جائزہ

(لاہور، ماہنامہ شام و سحر جنوری ۱۹۹۲ء)

- آل رضا کی مطبوعہ تخلیقات کا جائزہ

(لاہور، ماہنامہ شام و سحر جولائی ۱۹۸۷ء)

- اردو مرثیہ نگاری

(لاہور روزنامہ جنگ یکم ستمبر ۱۹۸۷ء)

- طنز و مزاح نگاری، محرکات و مقاصد

(لاہور، ماہِ نو دسمبر ۱۹۸۷ء)

- ایک روشن دماغ تھا نہ رہا (بیاد مرتضیٰ حسین فاضل)

(لاہور ماہنامہ 'شام و سحر' جنوری/فروری ۱۹۸۸ء)

(ماہنامہ 'پیام عمل' لاہور، اگست ۱۹۹۸ء)

- سیدوصی الحسن نقاش کی شاعری

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' جون۲۰۰۲ء)

(مشمولہ۔ کوئی صحرا میں بنائے مقتل، نقاش ہاشمی)

- گلفشاں۔لاہور سے نکلنے والا معتبر رسالہ

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' اپریل۲۰۰۳ء)

- جاوید صدیق بھٹی کے شعری سفر کی روداد

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' جون۲۰۰۳ء)

(ماہنامہ 'رشحات' لاہور، ستمبر۲۰۰۵ء)

- حلقۂ اہل قلم۔ایک تحقیقی مطالعہ

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' جولائی۲۰۰۳ء)

- شکیل جاذب کی شعری کھنک

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' اگست۲۰۰۳ء)

(بورے والا'حریم ادب' کتاب نمبر۱)

- مرزا دبیر چند حقائق۔چند معروضات

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' جنوری۲۰۰۴ء)

- بے حس معاشرے میں آفتاب کاوش کا تحفۂ احساس

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' اپریل۲۰۰۴ء)

- تلوار اور قلم کی حرمت کا امین۔خالد محمود امر

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' مئی۲۰۰۴ء)

- ایک دردمند دل رکھنے والا شاعر۔ضیاالرحمٰن فاروقی

(لاہور،ماہنامہ'شام وسحر' ستمبر۲۰۰۴ء)

- ایک مانوس اجنبی۔ اشفاق حسین

(لاہور، ماہنامہ ''شام و سحر'' جون ۲۰۰۱ء)

- نسیم سید کی مکمل گواہی

(کراچی، ارتقا جولائی ۲۰۰۰ء)

(لاہور، ماہنامہ ''شام و سحر'' اگست ۲۰۰۱ء)

- کچھ ڈاکٹر فخر الحق نوری کے بارے میں

(لاہور، ماہنامہ شام و سحر جولائی ۲۰۰۱ء)

(لاہور، سہ ماہی دبستان ۲۰۰۵ء)

- ادبی رسائل۔ ضرورت یا محض روایت

(ادبی مجلہ ''مخزن'' شمارہ نمبر ۲۰۰۳ء)

- ہائے میرا سائیں (بیاد نثار ترابی)

(یادیں مہک اٹھیں، مرتبہ عباس رضا)

- عرفی ہاشمی کے جدید مختصر مرثیے

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور نومبر ۲۰۰۵ء)

(ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' راولپنڈی نومبر ۲۰۰۵ء)

- سید وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری

(ماہنامہ ''سپوتنک'' لاہور فروری ۲۰۰۶ء)

- کچھ ناصر زیدی کے بارے میں

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، مئی ۲۰۰۵ء)

- سیدہ رفعت خانم کی شاعرانہ ہنرمندیاں

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، جولائی ۲۰۰۵ء)

- ن۔س۔ مسلم کے تنقیدی سفر کے ثمرات

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، اگست ۲۰۰۵ء)

(مشمولہ۔ میرا تنقیدی سفر، ن۔س۔ مسلم، ۲۰۰۶ء)

- کچھ محمد افسر ساجد کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، دسمبر ۲۰۰۵ء)

- سید روح الامین اور اُردو زبان

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، دسمبر ۲۰۰۵ء)

- کچھ پروفیسر حمید کوثر کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، حمید کوثر نمبر، اکتوبر ۲۰۰۵ء)

(روزنامہ 'مساوات' لاہور، ۱۷ر جون ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'سعادت' لاہور، ۲۳ر جون ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'جناح' لاہور، ۳۰ر اگست ۲۰۰۶ء)

- کچھ اُردو سلام کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، مارچ ۲۰۰۵ء)

- تسنیم عابدی کی شاعری میں حزنیہ عناصر

(ماہنامہ 'نیرنگ خیال' راولپنڈی، جون ۲۰۰۶ء)

- کچھ پروفیسر ظفر چشتی کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، مارچ ۲۰۰۶ء)

- سید وحید الحسن ہاشمی کی منقبت کی مختلف جہتیں

(ماہنامہ سپوتنک، لاہور ستمبر ۲۰۰۶ء)

- حرفِ قدس کی دھیمی دستک

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

- فرقان قریشی کے جلتے بجھتے دیپ

(روزنامہ 'جرأت' لاہور ۲۷ر اپریل ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'سعادت' لاہور ۲۶ر اپریل ۲۰۰۶ء)

(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور یکم ستمبر ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'مساوات' لاہور ۷ مئی ۲۰۰۶ء)

- واقعۂ کربلا اور ادب کی سمت نمائی

(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور یکم مارچ ۲۰۰۶ء)

- سیف زلفی کے بارے میں

(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور یکم مئی ۲۰۰۶ء)

- سیف زلفی کی یادیں، باتیں

(روزنامہ 'سعادت' لاہور ۱۳ر مئی ۲۰۰۶ء)

- وصی الحسن نقاش کے نعتیہ مظاہر

(روزنامہ 'جرأت' لاہور، ۲۲ر اپریل ۲۰۰۶ء)

(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور ۱۶ر اپریل ۲۰۰۶ء)

- وجاہت حسین کے بارے میں چند معروضات

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جولائی ۲۰۰۶ء)

(مشمولہ۔ فرد، معاشرہ اور شعور، وجاہت حسین وجاہت
ہاؤس آف پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۵ء)

- اقبال شناسی اور فرہنگِ اقبال

(ماہنامہ 'جدید ادب' لاہور، دسمبر ۱۹۸۹ء)

- قیصر اقلیم مرثیہ

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، (قیصر بارہوی نمبر) جون ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل۔ایک تعارف،عہد بہ عہد

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور (آغا سہیل نمبر) جون ۱۹۹۳ء)

- ایک حساس تخلیق کار۔فرقان قریشی

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، فرقان قریشی نمبر، جون ۲۰۰۶ء)

(مشمولہ۔ خراجِ دلنواز۔ مرتبہ۔ اُسامہ فرقان

سیو پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء)

- ایک سنجیدہ فکر نقاد۔ڈاکٹر عبدالکریم خالد

(ماہنامہ 'نیرنگِ خیال' راولپنڈی، جولائی ۲۰۰۶ء)

- نقاش ہاشمی کی شعری کائنات

(مشمولہ۔ حصارِ دُعا میں رہتا ہوں۔ نقاش ہاشمی

الحسن پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۶ء)

- ادب کا مسیحا۔ڈاکٹر طاہر تونسوی

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، ۲۰۰۶ء)

مشمولہ۔ طاہر تونسوی۔ایک مطالعہ

- شیر افضل جعفری اور اُن کی شعری تخلیقات

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، شیر افضل جعفری نمبر، جنوری ۱۹۹۰ء)

(سہ ماہی 'شعیب' اپریل، ۲۰۰۰ء)

- اختر ہاشمی کا شعری منظر نامہ

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۱ء)

- لفظوں کا شناور۔فرقان قریشی

(مشمولہ، حرف ریزے۔فرقان قریشی

سیو پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

- ایک باطنی خاکہ نگار۔ڈاکٹر معراج نیّر

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، (ڈاکٹر معراج نیّر نمبر) نومبر ۲۰۰۶ء)

(مشمولہ۔ پلک بسیرے۔ڈاکٹر معراج نیّر لاہور، ۲۰۰۶ء)

- کچھ جعفر بلوچ کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جعفر بلوچ نمبر، اپریل ۲۰۰۵ء)

- کچھ عمر فیضی کے بارے میں

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، عمر فیضی نمبر، جون ۲۰۰۵ء)

- عمر فیضی کے چند نایاب مکاتیب

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، عمر فیضی نمبر، جون ۲۰۰۵ء)

- سیّد وحید الحسن ہاشمی اور اُن کی ادبی خدمات

(روزنامہ 'اساس' لاہور، ۲۹ نومبر ۲۰۰۲ء)

- واقعۂ کربلا اور ادب

(روزنامہ 'جنگ' لاہور، ۳ فروری ۲۰۰۶ء)

- حمید کوثر کے چند نادر مکاتیب

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- کچھ اُردو نعت کے بارے میں

(روزنامہ 'دن' لاہور، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- اُردو نعت۔ماضی، حال، مستقبل

(روزنامہ 'سعادت' لاہور، ۳۱ ستمبر ۲۰۰۶ء)

(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'انصاف' لاہور، ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

(روزنامہ 'جنگ' کراچی، مڈویک میگزین، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- اسلم کولسری کا شعری مجموعہ 'جیون'

(ماہنامہ 'ادبِ لطیف' لاہور، نومبر ۲۰۰۶ء)

- رفتارِ شام و سحر (ماہنامہ 'شام و سحر' کے اشاریے)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور جنوری ۱۹۸۹ء تا جنوری ۲۰۰۷ء)

❖ فیچر

- اے قائدِ اعظم ترا احسان ہے:

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، ...... ۲۰۰۳ء)

❖ انٹرویو

- قیصر بارہوی کی غزل

قیصر بارہوی سے اُن کی غزل کے بارے میں مکالمہ

(مشمولہ 'اختراج' (قیصر بارہوی) لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)

- حلقۂ اربابِ ذوق کا ماضی، حال، مستقبل

شہرت بخاری، سجاد باقر رضوی، انجم رومانی اور سہیل احمد خان سے گفتگو

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور دسمبر ۱۹۸۹ء)

❖ تبصرے (ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحریر کردہ)

- پاکستان، سائنس، تعلیم اور معیشت (ڈاکٹر عبدالسلام)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء)

- صفر ایک (حسنین بخاری)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- داستان کی داستان (ڈاکٹر آرزو چودھری)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، اپریل ۱۹۸۹ء)

- نگاہیں اُداس ہیں (افضل صفی)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- ابابیلیں اُتر آئیں (ڈاکٹر حنیف ترین)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- اندھیروں کی کہانی (سیّد اسد علی)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- احساس (آفتاب کاوش)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- اِک چراغ اور بھی (شہزاد احمد)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- احساس (ضیاء الرحمٰن فاروقی)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۴ء)

- کلیاتِ یگانہ (مرتب مشفق خواجہ)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء)

- دریچے جاگتے ہیں (علی حسنین سیّد)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء)

- چاندنی میں رقص (شبِ طراز)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء)

- فنون (احمد ندیم قاسمی۔مدیر)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء)

- اقبال (ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔مدیر)

(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء)

- آموزش (ڈاکٹر عبدالکریم خالد۔ مدیر)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، نومبر ۲۰۰۳ء)

- نوادر (ڈاکٹر گوہر نوشاہی۔ مدیر)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، نومبر ۲۰۰۳ء)

- خاک کے پردے (ڈاکٹر آغا سہیل)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، دسمبر ۲۰۰۳ء)

- اُردو ہے جس کا نام (روح الامین)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، دسمبر ۲۰۰۳ء)

- جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

- رزق مودّت (طاہر ناصر علی)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

- علم اور علماء (ساحر لکھنوی)

(ماہنامہ 'پیام عمل' لاہور، مئی ۱۹۹۲ء)

- پاکستان کی سیر گاہیں (حامد علی نقوی)

(ماہنامہ 'فانوس ادب' لاہور، مارچ ۲۰۰۳ء)

- اُردو نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر (ڈاکٹر عاصی کرنالی)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء)

- ہدایت (مرثیہ) (علامہ طالب جوہری)

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء)

❖ **فلیپ** (مختلف کتب پر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحریر کردہ)

- رزم نامہ انیس و دبیر (مرتبہ: ڈاکٹر طاہر تونسوی)

- روگی روگی عشق مسافر (علمدار وشیل)
- بجھے چراغوں کی روشنی (عرفی ہاشمی)
- آلِ رضا کے خطوط اور اصلاحیں (سید وحید الحسن ہاشمی)
- حصارِ دعا میں رہتا ہوں (سید نقش ہاشمی)
- قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری (ڈاکٹر ہارون قادر)
- اُردو ناول کے منفی کردار (پریا تابیتا)
- رزقِ مودّت (طاہرہ ناصر علی)
- مجموعۂ نظم مرزا دبیر (ڈاکٹر تقی عابدی)
- سلکِ سلامِ دبیر (ڈاکٹر تقی عابدی)
- طالع مہر (دبیر کا غیر منقوط کلام) (ڈاکٹر تقی عابدی)
- سحابِ مدحت (مظفر نقوی)
- جنابِ زہرا و ثانیٔ زہرا (ڈاکٹر سید ابوالحسن نقوی)
- عقیدتیں (ڈاکٹر حسن رضوی)
- فرد، معاشرہ اور شعور (وجاہت حسین وجاہت)
- شاعری کا دبستانِ دہلی و لکھنو۔ غیر حقیقی تقسیم (پروفیسر باقر علی شاہ)
- ضامنِ نجات (سید اقبال رضوی)
- کربلا سفر میں ہے (طاہرہ ناصر علی)
- ثانیہ (پروفیسر وحید عزیز)
- کھوج پرکھ (ڈاکٹر سید قاسم جلال)
- ہمیشہ روٹھ جاتے ہو (پریا تابیتا)

- اُسے بھولنے چلے تھے (تسنیم خان سحر)
- حروفِ مدحت (اختر ہاشمی)

❖ شبیہ شناسی

(ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی شخصیت اور فن کے بارے میں شائع ہونے والی تحریریں)

- مصدق لاکھانی — ڈاکٹر شبیہ الحسن کی فکری جولانیاں
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۳ء)
- یعقوب تصور — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اور میرے چند جملے
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۳ء)
- علامہ سید انوار ظہوری — آلِ رضا کی غزل گوئی کے بارے میں چند معروضات
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جنوری ۱۹۹۱ء)
- ڈاکٹر آغا سہیل — شام و سحر کے اداریے
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جنوری ۱۹۹۵ء)
- ڈاکٹر نواز حسن زیدی — اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، مارچ ۲۰۰۴ء)
- پروفیسر حسن عسکری کاظمی — اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، مئی ۲۰۰۴ء)
- ڈاکٹر انور سدید — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی دو گراں قدر تصانیف
  (مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی)
  (اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار)
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، مئی ۲۰۰۵ء)
- ڈاکٹر عبدالستار نیازی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تصریحاتِ فن کے آئینے میں
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۵ء)

- پروفیسر حسن عسکری کاظمی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن۔ محقق اور نقاد
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۵ء)
(ہفت روزہ ''ذوالفقار'' پشاور، یکم جنوری ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر انور سدید — شام و سحر کے اداریے
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، فروری ۱۹۹۴ء)
- پروفیسر امجد علی شاکر — آل رضا کا فن غزل گوئی
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، اگست ۱۹۹۷ء)
- پروفیسر باقر علی شاہ — شبیہ الحسن کا تنقیدی مجموعہ ''سنا ایم''
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، ۱۹۹۱ء)
- پروفیسر سجاد مرزا — شام و سحر کے اداریے
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، مئی ۱۹۹۶ء، فروری ۱۹۹۷ء)
- ڈاکٹر عارف ثاقب — روشنی کا سفر (آل رضا پر شبیہ الحسن کی کتاب کا تجزیہ)
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، نومبر ۱۹۹۰ء)
- مرزا ادیب — شام و سحر کے اداریے
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، نومبر ۱۹۹۷ء)
- ڈاکٹر ہارون قادر — شبیہ الحسن کا مجموعہ مضامین ''مقاہیم''
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء)
- شہزاد احمد — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا ایک اور تحقیقی کارنامہ
(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، فروری ۲۰۰۴ء)
- فرقان احمد قریشی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے اعزاز میں
(جلتے بجھتے دیپ۔ فرقان قریشی، مارچ ۲۰۰۶ء)

- ڈاکٹر عبدالکریم خالد — کچھ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے بارے میں
  (ماہنامہ "سخنور" کراچی، مارچ۔اپریل ۲۰۰۵ء)
  (ماہنامہ "سپوتنک" لاہور، اگست ۲۰۰۵ء)
  (ماہنامہ "پیام عمل" لاہور، اگست ۲۰۰۵ء)
  (پندرہ روزہ "سہیل" واہ کینٹ، یکم اگست ۲۰۰۵ء)
  (روزنامہ "سعادت" لاہور، ۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء)
  (ماہنامہ "صدرنگ" لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر نواز حسن زیدی — جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ
  (ماہنامہ "الحمرا" لاہور، مارچ ۲۰۰۶ء)
- پروفیسر صفدر نعیم — جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ
  (ماہنامہ "ادب دوست" لاہور، جون ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر سلیم اختر — ڈاکٹر شبیہ الحسن کا نیا کارنامہ۔ سیف زلفی کے مرثیے
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اگست ۲۰۰۶ء)
  (پندرہ روزہ "ذوالفقار" پشاور، ۱۶ جولائی ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر عبدالکریم خالد — سیف زلفی کے مرثیے اور شبیہ الحسن کا نسخۂ خیر
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اگست ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر ریاض قدیر — سیف زلفی کے جدید مرثیے
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اگست ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر نواز حسن زیدی — سیف زلفی کے مرثیے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کا ادبی کارنامہ
  (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اگست ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر عبدالکریم خالد — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی ادبی خدمات
  (ہفت روزہ "ذوالفقار" پشاور، ۱۲ جون ۲۰۰۶ء)
  (روزنامہ "جرأت" لاہور، ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء)

- ڈاکٹر سلیم اختر — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی نئی تخلیق "اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار"
(پندرہ روزہ "ذوالفقار" پشاور، یکم تا ۱۶ دسمبر ۲۰۰۳ء)
(ہفت روزہ "رضا کار" لاہور، ۸ تا ۱۶ دسمبر ۲۰۰۳ء)
(روزنامہ "سعادت" لاہور، ۳ دسمبر ۲۰۰۳ء)

- ڈاکٹر علی شیر طور — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کیلئے تحسینی کلمات
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- پروفیسر خورشید بیگ میلسوی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک عظیم نقاد
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)
(پندرہ روزہ "حقیقت" بہاولپور، نومبر ۲۰۰۶ء)

- مظہر حسین مظہر — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن۔ ایک باشعور نقاد
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- محمد افضل ثاقب — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اور ماہنامہ شام و سحر لاہور
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- مشتاق احمد — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی ہمہ جہت شخصیت
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- مرید عباس خاور — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی فکر کے محرکات
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- سعید احمد سعید — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن تصریحات کے آئینے میں
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

- شفیق الرحمن الٰہ آبادی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن۔ ایک ادبی شخصیت
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)
(پندرہ روزہ "حقیقت" بہاولپور، نومبر ۲۰۰۶ء)

- نجم الحسن رضوی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کارمسیحائی
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، نومبر ۲۰۰۳ء)

- ڈاکٹر محمد ہارون قادر — آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی
(ماہنامہ "جدید ادب" لاہور، دسمبر ۱۹۸۹ء)

- پروفیسر امتیاز حسین — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تحقیقی بالغ نظری
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء)

- ڈاکٹر عبد الکریم خالد — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا کارنامۂ خاص۔ باقیاتِ آلِ رضا
(ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، دسمبر ۲۰۰۱ء)
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، مارچ ۲۰۰۲ء)
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل — آلِ رضا کی شعری متاع پر ڈاکٹر شبیہ الحسن کا محاکمہ
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اپریل ۲۰۰۲ء)

- اعجاز ثقلین بخاری — ڈاکٹر شبیہ الحسن کی کتاب۔ جدید لہجے کا شاعر سیف زلفی
(ماہنامہ "پیامِ عمل" لاہور، جولائی ۲۰۰۲ء)

- محمد عمر — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تصریحات
(سہ ماہی "فنون" لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء)

- مصطفےٰ کمال — موجودہ بے ادب دور میں ادب سے رابطہ
(ماہنامہ "مکالمہ" راولپنڈی، ۲۰۰۶ء)

- شیام — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا کارنامہ۔ سید حامد الحسن باقی کی شعری جہتیں
(ہفت روزہ "آئینہ" مظفر و ساتک، جنوری ۲۰۰۶ء)

- توفیق الرحمٰن سیفی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ "طاہرین"
(روزنامہ "سعادت" لاہور، ۳ رجون ۲۰۰۶ء)

- تاج سعید — باقیاتِ آلِ رضا۔ ایک یادگار کتاب
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، فروری ۲۰۰۱ء)
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء)

- پروفیسر ذوالفقار علی — آغا صاحب۔ ایک یادگار دستاویز
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء)

- ڈاکٹر ریاض قدیر — باقیاتِ آلِ رضا۔ تحقیقی و تنقیدی جائزہ
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، دسمبر ۲۰۰۱ء)

- آفتاب کاوش — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ "العطش"
(روزنامہ "دن" لاہور، ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۵ء)

- پروفیسر شبیر احمد قادری — وحید شناسی کی ایک مثال
مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی
(ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، ستمبر ۲۰۰۵ء)

- ڈاکٹر عبدالکریم خالد — ڈاکٹر شبیہ الحسن کی ترجیحات
(مشمولہ۔ ترجیحات۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
لاہور، انظہار سنز، ۱۹۹۸ء)

- ڈاکٹر عاصی کرنالی — ترجیحات کی حیرت سامانیاں
(مشمولہ۔ ترجیحات۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن
لاہور، اظہار سنز، ۱۹۹۸ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل — ڈاکٹر شبیہ الحسن کا فکر انگیز مجموعہ۔ مفاہیم
(مشمولہ۔ مفاہیم۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
لاہور: اظہار سنز، ۱۹۸۹ء)

- ڈاکٹر سجاد باقر رضوی — آل رضا کا روحانی فیض اور ڈاکٹر شبیہ الحسن
(مشمولہ۔ آل رضا کا فنِ غزل گوئی۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن
لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء)

- پروفیسر سجاد حارث — ڈاکٹر شبیہ الحسن کا حسنِ انتخاب اور شعری ادب
(مشمولہ۔ بیسویں صدی کا شعری ادب۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن
لاہور: اظہار سنز، ۱۹۸۸ء)

- فرقان احمد قریشی — ایک نابغۂ روزگار شخصیت۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
(روزنامہ 'مساوات' لاہور، ۲/ اکتوبر ۲۰۰۶ء)
(ہفت روزہ 'عزم' لاہور، ۲۲ تا ۲۸/ اکتوبر ۲۰۰۶ء)
(پندرہ روزہ 'سائبان' لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء)
(ہفت روزہ 'ذوالفقار' پشاور، نومبر ۲۰۰۶ء)

- آفتاب کاوش — شبیہ الحسن کی مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن'
(روزنامہ 'دن' لاہور، ۲۷ نومبر ۲۰۰۵ء)
(پندرہ روزہ 'ذوالفقار' پشاور، ۱۲/ فروری ۲۰۰۶ء)

- نعیم فاطمہ علوی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے بارے میں
(ماہنامہ 'نیرنگِ خیال' راولپنڈی)

- آفتاب کاوش — شبیہ الحسن کی تخلیق 'سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'
(روزنامہ 'دن' لاہور، ۱۵/ جنوری ۲۰۰۶ء)

- سعدیہ انور — آغا صاحب۔ ایک مطالعہ
(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور)

- ڈاکٹر انور سدید — شبیہ الحسن کا مجموعۂ مقالات 'تصریحات'
(روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۲۶ جون ۲۰۰۵ء)

- پروفیسر آصف وٹو — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا تحقیقی و تنقیدی سفر
(ماہنامہ 'سپوتنک' لاہور، نومبر ۲۰۰۶ء)
- پروفیسر رابعہ سرفراز — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تصریحات
(مشمولہ توضیحی مطالعات' قرطاس، فیصل آباد، ۲۰۰۶ء)
- ڈاکٹر افتخار احمد بیگ — شام و سحر کی باتیں اور ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- پروفیسر حماد میر — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کتاب 'تصریحات'
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- پروفیسر آصف وٹو — ناخدائے ادب۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- ڈاکٹر قاسم جلال — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مضمون نگاری
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- ڈاکٹر معراج نیر — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مضمون نویسی کی متنوع جہتیں
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- نعیم فاطمہ علوی — ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی "تصریحات"
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)
- پروفیسر حماد الرحمٰن میر — تحسین و اعتراف۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
(غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)

❖ قدر افزائی (ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تصنیفات و تالیفات پر لکھے گئے فلیپ)

- آیات آمنہ

ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی

ڈاکٹر میمونہ انصاری، پروفیسر سجاد حارث

- بیسویں صدی کا شعری ادب

ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

ڈاکٹر آغا سہیل

- آل رضا کا فن غزل گوئی

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر جمیل جالبی

پروفیسر ممتاز حسین

- العطش (جلد اول)

ڈاکٹر وحید قریشی، احمد ندیم قاسمی

- مفاہیم

ڈاکٹر سہیل احمد خان، ظہیر کاشمیری

پروفیسر عتیق احمد

- شام و سحر کی باتیں

پروفیسر رضی عابدی

- کلیاتِ حبیب

ڈاکٹر عبادت بریلوی

- ترجیحات

ڈاکٹر سہیل احمد خان

- آغا صاحب

احمد ندیم قاسمی

- معتبر مرثیے

ڈاکٹر مظفر عباس

- العطش (جلد سوم)

احمد عقیل روبی

- باقیاتِ آل رضا

ڈاکٹر وحید قریشی

- اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار

شہزاد احمد

- مختصر مرثیے کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی

ڈاکٹر سلیم اختر

- تصریحات

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

- سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں

ڈاکٹر جمیل احمد خان

- العطش (کلیات)

ڈاکٹر وحید قریشی، احمد ندیم قاسمی

- جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ

ڈاکٹر وزیر آغا

- طاہرین

ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر وحید قریشی

- سیف زلفی کے مرثیے

ڈاکٹر آغا سہیل

- قیصر اقلیم مرثیہ

انتظار حسین

❖ **کالم** (ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی شخصیت اور فن کے حوالے سے)

- شارجہ میں ایک ادبی شام

(نجم الحسن رضوی (شارجہ) روزنامہ 'اساس' ۳ نومبر ۲۰۰۲ء)

- عالمی مجلس ادب اور مرزا دبیر

(مختار علی نیّر، روزنامہ 'صبح' پشاور، ۷ مئی ۲۰۰۵ء)

- ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا کارنامۂ خاص۔تصریحات

(وحید عزیز، روزنامہ 'مساوات' لاہور ۴ فروری ۲۰۰۶ء)

- عصرِ حاضر کا شہزادۂ ادب

(وحید عزیز، روزنامہ سعادت' لاہور ۱۶ فروری ۲۰۰۶ء)

(وحید عزیز، ہفت روزہ 'ذوالفقار' پشاور، یکم ستمبر ۲۰۰۶ء)

- سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی، روزنامہ 'دن' لاہور، ۱۸ جنوری ۲۰۰۶ء)

- حق بہ حق دار رسید

(جاوید صدیق بھٹی، روزنامہ 'صحافت' لاہور، ۲۳ نومبر ۲۰۰۴ء)

- اسلم کولسری کی شاعری اور.....ڈاکٹر شبیہ الحسن کی جوہر شناسی

(وحید عزیز، روزنامہ 'سعادت' لاہور، ۲۳ اپریل ۲۰۰۶ء)

(ہفت روزہ 'ذوالفقار' پشاور، ۲۰۰۶ء)

- جن کا سخن ہے فکر و عمل کیلئے مہمیز

(عاطف خالد بٹ، روزنامہ 'دن' لاہور، ۲۵ اپریل ۲۰۰۵ء)

- ڈاکٹر شبیہ الحسن کی علمی و ادبی فتوحات

(جمیل احمد عدیل، روزنامہ 'دن' لاہور، ۹ ستمبر ۲۰۰۵ء)

- ادب کی شمع جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

(وحید عزیز، ہفت روزہ 'ارباب جہاں' لاہور، ۲۸ جولائی ۲۰۰۶ء)

- ادب کا رہبر و رہنما۔ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

(وحید عزیز، روزنامہ 'سعادت' لاہور، ۴ جولائی ۲۰۰۶ء)

- سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں
(محمد فیروز شاہ، روزنامہ 'پاکستان' لاہور، ۱۹ر جنوری ۲۰۰۶ء)

❖ انٹرویو

- عمران نقوی (روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور، ۲۰ مئی ۲۰۰۵ء)
(ماہنامہ 'پیام عمل' لاہور، جولائی ۲۰۰۵ء)
(مشمولہ۔ شرف ملاقات۔ عمران نقوی
لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)
- اختر سعیدی (روزنامہ 'جنگ' لندن، ۱۹ر جنوری ۲۰۰۶ء)
- رشید چودھری (روزنامہ 'اساس' لاہور، ۳۱ر اگست ۲۰۰۵ء)
- صلاح الدین اولکھ (روزنامہ 'اساس' لاہور، ۹۔ دسمبر ۲۰۰۵ء)
- اختر سعیدی (روزنامہ 'جنگ' کراچی، ۱۱ر جنوری ۲۰۰۶ء)
- شیخ سلیم احسن (پندرہ روزہ 'نئی آوازیں' لاہور، یکم اکتوبر ۲۰۰۵ء)

رابطہ

۲۵۳۔ ایف، رحمان پورہ، اچھرہ

لاہور۔ پاکستان

فون

۰۴۲۔۷۵۹۴۲۹۰۔۰۴۲۔۷۵۸۰۶۴۳

موبائل

۰۳۳۳۔۴۲۵۵۱۵۳

آراء

(ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے بارے میں ناقدین، دانشوروں اور اکابرین کی آراء)

• ڈاکٹر عبادت بریلوی

''ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ انہوں نے لکھنؤ کی شاعری پر قابل قدر کام کر کے اُردو زبان و ادب کے باقاعدہ طالب علم ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ جناب حبیبؔ جونپوری کا کلام اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے اور پڑھنے والے ان کی شاعری اور انداز سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ''کلیاتِ حبیب'' مرتب کر کے ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ایک اچھے شاعر سے ہمیں متعارف کرایا ہے اور ایک جوہر قابل کو مٹی میں ملنے سے بچا لیا ہے۔

• پروفیسر ممتاز حسین

''شبیہ الحسن صاحب کا تنقیدی شعور بہت واضح، جچا تلا اور تیکھا ہے۔ وہ نہ تو اس رجحان کو پسند کرتے ہیں کہ کلام تمام تر لفظی شعبدہ گری کا حامل ہو یا تمام تر روایتی ہو اور اس میں روایت سے سرِمو انحراف نہ پایا جائے اور نہ وہ اس جدت پسندی کے قائل ہیں کہ جدید غزل کو اپنی فضا، معنویت اور ساخت میں ماضی کے تجربات سے بالکل ہی بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ اس کے برعکس جہاں وہ غزل میں نئی معنویت یا انفرادی تجربات کے اظہار کو پسند کرتے ہیں وہاں وہ غزل میں

ایک ایسا رچا ہوا انداز بیان بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو ماضی میں اچھی غزلوں کا طرہ امتیاز تھا اور جسے اس دور میں فراق، فیض اور دوسرے شعراء نے برتا ہے۔"

• ڈاکٹر سجاد باقر رضوی

اسے آل رضا کا روحانی فیض سمجھیے کہ سید شبیہ الحسن ان کے حوالے سے ایک وسیع تر تناظر کے حامل ہو گئے ہیں۔

• ظہیر کاشمیری

شبیہ الحسن نے اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعے "مفاہیم" میں بعض اہم اور نازک ادبی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ وہ ہر موضوع کو گہری ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور نتائج اخذ کرنے سے پہلے ہر موضوع کے داخلی، خارجی اور زمانی پہلوؤں کو عموماً پیش نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں نیا پن ہی نہیں فکری اضافوں کی جھلک بھی ملتی ہے۔ وہ بعض جگہ ادب کے گنجلک مسئلوں کو بڑی سادگی اور شستگی سے بیان کر جاتے ہیں اور یہ سادگی اور شستگی ان کے اظہار کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ مضامین تنقید کے نئے امکانات کی نشاندہی ہی نہیں کرتے بلکہ ہمارے تنقیدی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ بھی ہیں۔

• ڈاکٹر وحید قریشی

آل رضا خوش نصیب شعرا میں ہیں جنہیں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن جیسا مخلص نقاد ملا ہے جو اپنے اجداد کی روایت کا پاسدار ہی نہیں بلکہ اس کا بہت بڑا مبلغ بھی ہے۔ شبیہ الحسن کے والد سید وحید الحسن صاحب آل رضا کے حلقہ شاگردی میں شامل تھے اس لئے شبیہ الحسن نے ضروری جانا کہ آبائی روایت کی پاسداری کرتے

ہوئے بزرگوں کی متاعِ بے بہا کو قارئین تک پہنچانا چاہیئے ۔ یہ ایک کٹھن کام تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دس برس کی مسلسل محنت سے اخبارات، رسائل اور بیاضوں سے ریزہ ریزہ کلام جمع کیا اور اس طرح آل رضا کے کلام کی باقیات یکجا ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام میں تدوین کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے اور جا بجا حوالوں اور حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ آج کل تدوین متن کا کام اُردو کے محققین کے بس کا نہیں رہا کہ اکثر نقاد علم عروض میں پیدل ہیں اور تدوینِ متن میں عجیب و غریب غلطیاں کرتے ہیں۔ شاعری شبیہ الحسنؔ کے گہوارۂ تربیت کا حصہ ہے اس لئے یہ متن صحت کے اعتبار سے کئی معاصرین کے کام سے بازی لے گیا ہے۔ انہوں نے محض ایک مرحوم شاعر کے کلام ہی کو یکجا نہیں کیا بلکہ لکھنوی روایت کے اس آخری زمانے کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔ اب آل رضا کے شعری مرتبے کے تعین میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس اہم علمی کام پر میں عزیز موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

- **ڈاکٹر فرمان فتح پوری**

یہ بات باعث مسرت ہے کہ ’’شخصے از غیب بیرون آمد و کارے کرد‘‘ میری مراد سید شبیہ الحسن صاحب سے ہے جنہوں نے آل رضا کی غزل گوئی کو موضوع گفتگو بنایا۔ اس کے رموز و نکات کو اُجاگر کیا۔ خصوصیات و امکانات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا اور یہ سب کچھ انہوں نے ایسی دقتِ نظر، خلوص دل اور وسعت مطالعہ کے ساتھ کیا کہ ہم عصر غزل گو شعرا میں سید آل رضا کا وہ رتبہ خاص جو ناقدین کے بعض تحفظات و تعصبات کی بنا پر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آ گیا۔ یہی نہیں سید شبیہ الحسن نے آل رضا کی

غزل گوئی کے بہانے بیسویں صدی کی غزل گوئی اور اس کے نمائندہ شعرا کے بارے میں ایسی سیر حاصل بحث فراہم کردی ہے کہ ہم اس کی معرفت اردو غزل کی پوری تاریخ کے نشیب و فراز کا ادراک کر سکتے ہیں' ایسا ادراک جو یقیناً غزل کی تفہیم و تنقید دونوں میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

- **احمد ندیم قاسمی**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت اور علم و فن کے بارے میں' متعدد صائب الرائے اہل قلم کے افکار کو کتابی صورت میں یکجا کر کے پاکستان کی ادبی تاریخ کا ایک اہم تقاضا پورا کیا ہے۔ ڈاکٹر آغا سہیل کے علم و فضل اور فکر و فن کی متنوع جہات ہیں۔ ان سب کو ایک کتاب میں اس سلیقے سے سمیٹنا' آغا صاحب سے مرتب کی عقیدت کے علاوہ' ان کی توانا اور ہمہ گیر لگن کا بین ثبوت ہے۔ انہوں نے آغا صاحب کی شخصیت کے علاوہ ان کے افسانوں' سفرناموں' ناول' تنقید اور تحقیق کے الگ الگ عنوانات کے تحت دورِ حاضر کی بڑی بڑی شخصیات کے وقیع مضامین اس مجموعے میں شامل کیے ہیں۔ یوں یہ مجموعہ آغا صاحب کی سوانح عمری کا کردار بھی ادا کر رہا ہے اور دورِ حاضر کی ایک اہم ادبی شخصیت کے کمالاتِ فن کے متوازن اذکار سے تاریخ ادب کا ایک الگ باب بھی تکمیل پذیر ہو گیا ہے۔ اس کامیابی کے لئے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھرپور تحسین کے مستحق ہیں۔

- **ڈاکٹر وزیر آغا**

ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک باصلاحیت اور ہوش مند نقاد ہیں' انہوں نے اسلم کولسری کے حوالے سے ایک ایسی منفرد کتاب پیش کی ہے جو بیک وقت شاعر کی غزلوں کا

خوب صورت انتخاب بھی ہے' اُس کے سوانحی کوائف اور شعری کارکردگی کا بیان بھی اور اُس کے کلام کا تنقیدی جائزہ بھی۔

اسلم کولسری کے ہاں کلاسیکی اسلوب کے بجائے جدید لب و لہجہ اُبھرا ہے جو اُس کے معاصرین کے اسلوبِ شعر سے مختلف ہے۔ اُس کے ہاں اِردگرد کی اشیا اور مظاہر کو ایک بچے کی سی حیرت سے دیکھنے کا انداز ملتا ہے جو ایک نادر و نایاب عطیہ ہے۔ اُس کے اندر ''بچپن'' پوری طرح آباد ہے اور چونکہ یہ بچپن دیہاتی فضا میں پروان چڑھا ہے' اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُس کی شاعری میں ''بچپن'' اور ''گاؤں'' ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ یہی گاؤں جب شہر کے رُوبرو آیا ہے تو عکسوں کے ایک ایسے سلسلے نے جنم لیا ہے جو اسلم کولسری کی شاعری کی پہچان ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اپنی اس قابلِ قدر کتاب میں اسلم کولسری کو متعدد سطحوں پر دریافت کر کے ایک اہم ادبی خدمت انجام دی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے' کم ہے۔''

• ڈاکٹر جمیل جالبی

''خوشی کی بات ہے کہ سید شبیہ الحسن نے ''جناب آلِ رضا کے فنِ غزل گوئی'' پر کتاب لکھ کر ان کی شخصیت' ماحول اور شاعری کو متعارف کرانے کے لیے اتنا مواد فراہم کر دیا ہے کہ اب دوسرے نقاد بھی ان کی شاعری پر توجہ دیں گے۔''

• انتظار حسین

قیصر بارہوی مرحوم تو ہمارے ہی زمانے کے شاعر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لازم تھا کہ ان کے سارے کام کو سمیٹا جاتا اور اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کر

کے ان کے مرثیے کے متعلق کوئی مستقل رائے قائم کی جاتی۔ بہت اچھی بات ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے بارھوی مرحوم کے سارے مرثیوں کو سمیٹ کر اولاً سرسری تعارف کروایا ہے، ہر مرثیے کا ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے اور پھر دقتِ نظر کے ساتھ ان کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ قیصر بارھوی مرثیے کے میدان میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے یقیناً اس مطالعہ کے مستحق تھے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھی اپنے اس مطالعہ کیلئے جوان کی تنقیدی بصیرت کا غماز ہے، داد کے مستحق ہیں۔

• **میرزا ادیب**

ایک باشعور اور فرض شناس مدیر کی صرف یہی کوشش نہیں ہوتی کہ وہ اپنے رسالے کے قارئین کیلئے اچھے اور مفید مضامین ''نظم ونثر'' فراہم کرے۔ یقیناً یہ اس کا ادارتی فریضہ ہوتا ہے مگر یہ فریضہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے یہ توقع بھی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اداریوں میں اُن تحریکات پر روشنی ڈالے جو عہد حاضر میں ادب پر اپنے اثرات مرتب کر رہی ہیں اور دنیائے ادب میں جو کچھ ہو رہا ہے ادب پر ان کے نتائج کا بھی تجزیہ کرے۔

شام وسحر کا پرچہ دیکھتے ہی میں سب سے پہلے 'باتیں' کا مطالعہ کرتا ہوں اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ پروفیسر شبیہ الحسن نے اپنے ہر اداریے میں کوئی نہ کوئی ایسا موضوع ضرور چھیڑا ہے جو ادبی مسائل کے حوالے سے اہم بھی ہے اور بھرپور توجہ کا متقضی بھی: پروفیسر صاحب ایک باخبر، حساس اور بڑے ذمہ دار مدیر ہیں۔ صرف یہی نہیں، اُن کے پہلو میں ایک دل دردآشنا بھی ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنے اداریے میں کم سے کم لفظ استعمال کرتے ہیں مگر جو لفظ

بھی اُن کے قلم سے نکلتا ہے اُس کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ اگر اس لفظ کو تحریر سے الگ کر دیا جائے تو ایک نمایاں خلاء محسوس ہونے لگے گا۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی باتیں، حکیمانہ باتیں ہیں، یہ گہری سوچ کی شاہد ہیں اور یہ گہری سوچ پڑھنے والوں کو کچھ سوچنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان کی بڑی افادیت ہے اور اسے کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

- **شہزاد احمد**

''یوں تو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ادب کی کئی جہات میں کام کیا ہے مگر ان کا محبوب موضوع مرثیہ ہے اور پھر اسی حوالے سے مرثیہ نگار بھی۔ مرثیے سے ان کا یہ لگاؤ صرف ادب کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں دنیا بھر کے موضوع شامل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ مرثیے میں صرف مصائب ہی بیان کیے جائیں، مرثیے کی یہ توجیہ انسان کی پوری زندگی کا احاطہ بھی کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے مرثیے کے سلسلے کے بہت سے موضوعات پر بحث کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ کتاب جدید اور کلاسیکی مرثیے پر ایک جامع کتاب ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد آپ اگر چاہیں تو کسی بھی موضوع کا مطالعہ اپنے ذوق کے مطابق تفصیلی طور پر کر سکتے ہیں چنانچہ یہ کتاب مرثیے کا ایک تعارف بھی ہے، مرثیے پر تنقید بھی ہے اور ان امکانات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو مستقبل قریب میں رونما ہونے والے ہیں۔

- **ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا**

''گزشتہ ربع صدی میں نمایاں ہونے والے محققین و ناقدین ادب میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ وسیع المطالعہ اور کثیر الجہات

شخص ہیں۔ ایک علمی و ادبی خانوادے کے لائق فرزند ہیں اور مختلف النوع موضوعات پر قابل قدر تصنیفی وتنقیدی سرمایہ فراہم کر چکے ہیں۔ ان کی تازہ ترین تنقیدی تصنیف ''تصریحات'' ہمعصر اہل قلم کے ادبی کارناموں کو متعارف کرانے کے لیے ایک بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ معاصرین کے بارے میں اظہار خیال آسان کام نہیں مگر ڈاکٹر صاحب اس سے بخوبی عہدہ برا ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں ''تصریحات'' کے مضامین دورِ حاضر کے نوجوان اہل قلم پر مزید تحقیق وتنقید کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو بھی ادبی حلقوں میں اسی طرح پذیرائی حاصل ہوگی جو ان کی دیگر تصانیف کو اس سے قبل حاصل ہو چکی ہے۔''

- **ڈاکٹر آغا سہیل**

''انتخاب کا کام عطر کشید کرنے کے مترادف ہے جس میں ذوق سلیم کی رہبری، مذاق سخن کی استواری، شئے لطیف اور وجدان کی سلامت روی کے ساتھ ساتھ شعری تربیت سے ہم آہنگی ضروری ہے۔ سید شبیہ الحسن میں مذکورہ اوصاف حمیدہ بدرجہ احسن موجود ہیں۔''

- **ڈاکٹر سلیم اختر**

''میں جب ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو دیکھتا ہوں تو مجھے ''پتا پر پوت'' والی ضرب المثل یاد آتی ہے۔ نیک باپ کا نیک اطوار فرزند۔ باپ نے مرثیہ نگاری میں نام پیدا کیا اور وحید العصر کا خطاب پایا جبکہ بیٹے نے مرثیے کی تحقیق وتنقید سے امتیاز پایا۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تازہ تالیف ''مختصر مرثیہ کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی'' اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ اس میں سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت کے

مطالعہ کے ساتھ بطور مرثیہ نگاران کے فن کا تجزیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے مگر اس انداز اور اسلوب میں کہ مرثیہ کے فن سے وابستہ تخلیقی امور اور فنی جزئیات کا بھی احاطہ ہوگیا ہے۔ مرثیہ سے سنجیدہ دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے اس کتاب کا مطالعہ باعث افادہ ہوگا۔''

• ڈاکٹر سہیل احمد خان

''ڈاکٹر شبیہ الحسن ماہنامہ ''شام وسحر'' کے مدیر کے طور پر ادبی حلقوں میں معروف ہیں۔ انہوں نے تحقیق وتنقید کے شعبوں سے اپنی گہری وابستگی کا ثبوت ایم۔ فل اور پی ایچ۔ ڈی کے مقالات کی صورت میں فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی طبع زاد اور مرتبہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ گویا انہوں نے بطور محقق اور نقاد علمی حلقوں میں اپنی شناخت کرالی ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تازہ ترین تصنیف ''ترجیحات'' تحقیق وتنقید سے ان کی وابستگی کا ایک ثبوت فراہم کرتی ہے۔ شبیہ الحسن ان نقادوں اور محققین میں سے ہیں جو ادب کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر میں رکھ کر دیکھتے ہیں۔ تہذیبی اقدار سے ان کی علمی وابستگی ان کی تحقیق وتنقید کو ایک نہج عطا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ پامال موضوعات پر قلم اٹھانے کے بجائے زیادہ تر ان شخصیات کو تنقید و تحقیق کا موضوع بناتے ہیں جن پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کوشش میں بسا اوقات وہ نئی معلومات فراہم کرتے ہیں یا کسی ایسے زاویے کو سامنے لاتے ہیں جس میں تنقیدی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیقی مجموعہ ''ترجیحات'' ڈاکٹر شبیہ الحسن کے علمی سفر کا ایک نیا مرحلہ ثابت ہوگا۔

• نجم الحسن رضوی

''ڈاکٹر شبیہ الحسن کو ایسے اعزاز کی طلب نہیں، ایک تو وہ ہر معاملے میں اپنی واضح

رائے رکھتے ہیں اور دوسری خاص بات جوان کی ادبی ترجیحات میں شامل ہے، یہ ہے کہ وبائے عام سے انہوں نے اپنا دامن بڑی حد تک بچائے رکھا ہے۔ مختلف ادبی موضوعات کے جن مفاہیم تک وہ پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عام نہیں۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر لکھتے ہی نہیں جن پر پہلے ہی بہت سے لوگ خامہ فرسائی کر چکے ہوں اگرچہ انہوں نے مرثیے کی صنف کے بارے میں تواتر سے لکھا ہے مگر ان کے فکری موقف سے خود مرثیے کی تفہیم اور اس کے مختلف فنی پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی طرح قاری کو شعروادب کے باب میں ان کے مضامین کے ذریعے مختلف تہذیبی آفاق تک رسائی کا موقع ملتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا سب سے نمایاں تحقیقی کام یہ ہے کہ انہوں نے بعض ایسی اہم ادبی شخصیتوں کے بڑے کامیاب شخصی اور فنی خاکے تیار کئے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کی معلومات بہت محدود ہیں۔

- **پروفیسر سجاد حارث**

"پروفیسر شبیہ الحسن نے متن کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے جس ڈھنگ سے یہ کام انجام دیا ہے وہ ان کی سلیقہ مندی، وسعت مطالعہ اور ژرف بینی کو ظاہر کرتا ہے۔"

- **سید ہاشم رضا**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے میرے برادر محترم و مرحوم سید آلِ رضا کے فنِ غزل گوئی کے بارے میں جو کچھ اور جس طرح لکھا ہے، اسے میں Labour of Love سمجھتا ہوں، میں ان کی ادبی کاوش اور شعر ذوق کی داد دیتا ہوں

اور مجھے امید ہے کہ ان کی تصنیف ''آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی'' کے پڑھنے والے میری طرح ان کے تخیلات اور نتائج سے متفق ہوں گے۔

- **پروفیسر عتیق احمد**

''میں اس وقت اردو تنقید میں ایک نئے نام کو خوش آمدید کہنے کا خوشگوار فریضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ نیا نام شبیہ الحسن کا ہے جن کے مضامین کا پہلا مجموعہ ''مفاہیم'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ شبیہ الحسن معلّمی سے وابستہ ہیں اور مزاجاً شعر کے تخلیق کار ہیں۔ شعری وابستگی انہیں بھی ہمارے ایسے تنقید نگاروں کی صف میں لے جاتی ہے جنہیں صرف ''نقاد'' نہیں کہا جاتا۔ معلّمی کے پیشے سے وابستگی البتہ ہمیں ان کے ذوق مطالعہ اور ''جبریہ'' مطالعہ کی طرف دھیان دلاتی ہے۔''

- **ڈاکٹر عاصی کرنالی**

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی 'ترجیحات' کا مطالعہ میں نے دلچسپی اور انہماک سے کیا۔ اس سے پہلے بھی ان کی کئی تحریریں میری نظر سے گزری ہیں۔ ان کا میدان تحقیق و تنقید ہے اور تخلیق کے اُفق سے بھی وہ نمودار ہو کر ہماری نگاہ کے لئے حیرت سامانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان ہیں لیکن بڑی پختہ فکری کے ساتھ قرطاس و قلم کا حق ادا کر رہے ہیں۔

- **پروفیسر رضی عابدی**

ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ان اداریوں میں ادب کے تقریباً تمام مسائل پر بحث ہے اور زیادہ اہم بات یہ ہے ان میں ادب کو زندگی سے علیحدہ کر کے نہیں بلکہ خود زندگی کے ایک فعال شعبہ کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ اداریے ادب کے

حوالے سے زندگی کے متعلق اہم سوالات اُٹھاتے ہیں اور صحیح سوالات کا اُٹھانا ہی اصل دانشوری ہے۔

- **احمد عقیل روبی**

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے وحید صاحب کے یہ گیارہ مرثیے مرتب کر کے عہد حاضر اور مستقبل کے قارئین کو العطش (جلد سوم) کی شکل میں ایک ایسا چشمۂ سخن دے دیا ہے۔ جس سے وہ اپنی علمی، فکری اور شعری پیاس بجھاتے رہیں گے۔

- **پروفیسر حسن عسکری کاظمی**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا اشہب قلم تحقیق اور تخلیق کی سرزمینوں میں جس برق رفتاری کے ساتھ دوڑ رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بہت کم وقت میں اردو شعر و ادب کی مختلف اصناف کے حوالے سے جتنا کام کیا اس کا احاطہ کرنے میں معقول وقت درکار ہے۔ صرف صنف مرثیہ پر ان کی اہم تصانیف اور تالیفات کی بھی ایک طویل فہرست ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تدوین کے علاوہ سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں ''العطش'' کی تین جلدیں مدون کیں، ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا، نقد و نظر کا معیار دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید شبیہ الحسن گہرائی اور گیرائی کے ساتھ محاکمہ کرتے ہوئے ان تمام فنی اور معنوی محاسن سے بحث کرتے ہیں جو ان مرثیوں کے ادبی مقام کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، ابھی چند کتابیں زیر طبع ہیں جن میں اردو مرثیہ اور دیگر اصناف، لاہور کا دبستان مرثیہ اور سیف زلفی کے مراثی ان کے تحقیقی اور تخلیقی کارناموں میں شمار کیے جانے کے لائق ہوں گے۔ فی الوقت ان کی تازہ

ترین تصنیف "اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار" پر گفتگو کرنا مقصود ہے۔ یہ خوبصورت کتاب اظہار سنز لاہور نے شائع کی، یہ ادارہ معیاری اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرنے کی روایت پر قائم ہے اور کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

- **ڈاکٹر معراج نیر**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا تعلق اس علمی و ادبی خانوادے سے ہے جس نے ہمیشہ علم و ادب کی بے لوث خدمت انجام دی ہے۔ صلے کی پروا سے بے نیاز، ترویجِ علم کے لیے ہمیشہ کوشاں۔ یہی رویہ ذاتی طور سے ڈاکٹر شبیہ الحسن کا ہے۔

- **مختار علی نیر**

ہم ڈاکٹر شبیہ الحسن کی توجہ ایک خاص نقطے کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ متحدہ ہندوستان کے زمانے میں لکھنو میں باقاعدہ ایک کالج تھا جو اس زبان کے لہجے کا تحفظ اور ادائیگی سکھایا کرتا تھا۔ بٹوارا ہونے کے بعد ہم اس ادارے سے محروم ہو گئے اور پھر کسی کو اس طرف خیال نہ آیا کہ اس قومی زبان کی شناخت اور اس کی خوشبوؤں کو محفوظ کیا جائے تاکہ اس زبان کے جتنے لہجے بھی کیوں نہ بنیں اپنا انداز بھی محفوظ ہو اس لئے کہ اس زبان کے اپنے بولنے والوں میں سے اس کا مزاج ختم ہوتا جا رہا ہے بلکہ ہم تو یہ کہہ گئے کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اب خاصے بوکھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وہ بیچارے اس زبان کے مختلف لہجوں میں پھنس گئے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن چونکہ اردو ادب و الفاظ و نثر و نظم کے خود بڑے ماہر ہیں لہٰذا ہمیں امید ہے کہ اگر وہ سنجیدگی سے اس بات پر غور کریں تو صرف زبان اردو ہی کیا ہم سب کی اس میں بھلائی ہوگی ہم عالمی مجلس ادب کے اس کارنامے کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں

اور انہیں ایسے تاریخی سیمینار کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور اتنے مشکل عنوان سے انصاف کرنے پر تہہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

- **ڈاکٹر مظفر عباس**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ہمارے ان نوجوان لکھنے والوں میں شامل ہیں جن کے قلم میں ٹھہراؤ، فکر میں گہرائی اور رائے میں وزن ہے۔ اس سے پیشتر ان کی کئی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور نقادانِ ادب کی داد و تحسین کی مستحق ٹھہری ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے روایت انیس کے اس اہم اور جدید مرثیہ نگار و مرثیہ خواں کی غیر مطبوعہ تخلیقات کو منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ زیر نظر مجموعہ قیصر بارہوی کے گیارہ غیر مطبوعہ مرثیوں پر مشتمل ہے جسے ''معتبر مرثیے'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

- **ڈاکٹر ھلال نقوی**

میں اپنی ابتدائی ادبی زندگی سے گوشہ نشینی کی طرف مائل رہا ہوں لیکن آپ جگمگاتی فضاؤں میں میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے لئے چلے جا رہے ہیں۔ یہ خلوص، یہ التفات اور پھر یہ انتساب۔ میرے لیے یہ قرض چکانے بہت مشکل ہوں گے۔ کیا میں اس قابل تھا کہ 'قیصرِ اقلیم مرثیہ' کا انتساب آپ نے میرے نام کیا؟ اب دور دور تک سنجیدہ لکھنے پڑھنے والے نظر نہیں آتے۔ کہیں نہ کہیں کوئی گرہ ضرور پڑی ہے۔ جو لوگ مرثیے کی تخلیق و تنقید میں اپنی محبتوں سے اب ایک نئی دنیا تعمیر کر رہے ہیں ان میں آپ کے نام پر لکیر نہیں پھیری جا سکتی۔ آپ کے نام کو کاٹا نہیں جا سکتا۔ آپ مسلسل لکھ رہے ہیں، مسلسل کتابیں سامنے آ رہی ہیں۔ 'قیصرِ اقلیم مرثیہ' میری لائبریری میں بھی رہے گی

اور میرے دل کے نہاں خانے میں بھی۔ اس میں آپ کے خلوص کی خوشبو بھی ہے اور ایک بزرگ مرثیہ نگار شاعرِ سخن کی بھی۔

- **ڈاکٹر اجمل نیازی**

میں سمجھتا ہوں کہ شبیہ الحسن جیسے بندے بہت ہونے چاہئیں جو ایسی محفلیں آباد کریں کہ جہاں اپنے اندر گم ہونے والے لوگوں کو بھی تلاش کیا جا سکے۔ لوگوں نے کیسے کیسے لوگ اپنے اندر ہی کھو دیے ہیں۔ میں نے سیف زلفی کے یہ مرثیے پڑھے تو اُسے اپنے سامنے مرثیے پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ ایسے شخص کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ اُسے یاد بھی کیسے رکھ سکتے ہیں۔ بھلانے اور یاد کرنے کے درمیان کوئی لمحہ کہیں ہے جہاں سیف زلفی جا کر آباد ہو گیا ہے۔ ہم وہاں پہنچیں تو اُس سے ملیں۔

- **پروفیسر سجاد مرزا**

محدود ضخامت کے پرچوں کے اداریے اختصار اور اجمال کی ایک خوبصورت مثال ہوتے ہیں۔ شام و سحر کے اداریے اس قبیل میں شامل ہیں۔ کسی رسالے کے مدیر کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ عصری مسائل کی شدت سے بھی اپنے قارئین کو آگاہ کرتا رہے۔ مدیر شام و سحر ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنے اس فریضے سے غافل نہیں ہیں اور وہ اپنے قارئین کو ہمراہ لے کر چل رہے ہیں۔

- **ڈاکٹر سیّد قاسم جلال**

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن اُن اہلِ قلم میں سے ہیں جنہیں مبدائے فیض سے غیر معمولی ادبی صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے۔ ایسی شخصیات اپنے علمی و ادبی کارناموں سے نہ صرف اپنے عہد متاثر کرتی ہیں بلکہ آئندہ زمانوں کے لیے

بھی روشنی کا مینار بن جاتی ہیں۔ موصوف کی ذہنی تشکیل میں تین عوامل اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ (ا) خاندانی علم دوست و ادب پرور ماحول (ب) ذہنی اُپج (ج) تدریسِ اُردو۔ ان تین عوامل کا مطلعِ تاباں پر تحقیقی لگن، تنقیدی بصیرت اور تخلیقی رعنائی کی قوسِ قزح اپنے بوقلموں کی بہار دکھا رہی ہے۔ بقول جوش ملیح آبادی۔

کچھ میرے ظرف نے بھی دیا ہے سبُو کو رنگ
کچھ عنصرِ نوازشِ روحانیاں بھی ہے

• پروفیسر سیّد محمد رضا زیدی

وہ محقق جس کی جبیں میں شمعِ صداقت کا نور، نفس میں سوز، نظر میں شعور اور دل میں ذوقِ یقین ہے اُس کا نام ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن ہے۔ دیکھنے میں تنہا ہے لیکن اپنے آپ میں ایک انجمن، ایک ادارہ بلکہ چلتا پھرتا دارالعلوم ہے۔ جنابِ فیض جھنجھانوی کا ایک مصرع کتنا صادق آتا ہے

؏ تیرے دم سے گلشنِ شعر و سخن شاداب ہے

ان کے علاوہ مسلسل اشاعت کے انیسویں سال میں داخل جدید و قدیم ادب کا حسین سنگم، علم و ادب کی خدمت پر کمربستہ ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور کے مدیرِ اعزازی ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن ہیں۔ اس ادبی پرچے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ بہت سے ادیبوں کے اعترافِ ہنر پر خصوصی نمبر شائع کر کے ادبی صحافت میں ایک نئی روایت پیدا کی۔ حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ہو یا عالمی مجلسِ ادب، حلقۂ حمد و نعت و سلام پاکستان لاہور، انجمن اُردو مصنفین پاکستان لاہور ہو یا انجمن معراجِ ادب لاہور ہو یا سیّد آلِ رضا میموریل کمیٹی پاکستان

ہوان سب میں

رفیع ایوانِ جستجو ہے، وسیع دامانِ آرزو ہے

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اردو ادب کی ایسی خدمت کر رہے ہیں جو آج کے دور نا پرساں میں ایک عجیب سا کام لگتا ہے۔ ایک شخص اردو ادب کو ایسے ایسے گوہر نایاب تحقیق و ترتیب و تدوین اور تجزیوں کے حوالے سے ادبی دنیا کو عطا کر رہے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

- **ڈاکٹر علی شیر طور**

''ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو عصرِ حاضر کے نوجوان شاعروں سے پیار ہے وہ ان کی کاوشوں کو دوام دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جہاں اس دور کا نقاد میر تقی میر اور مرزا غالب کی شاعری اور میر امن دہلوی اور ہادی رسوا کی تخلیقات سے استفادہ کرتا ہے وہاں اُسے عصری رجحانات و میلانات کے حامل شعراء اور نثر نگاروں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور اُن کی تخلیقات سے معاشرے کو فیض یاب کرنا چاہیے۔''

- **پروفیسر خورشید بیگ میلسوی**

معروف شاعر اور محقق ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اپنے اسلاف کی وراثت، ادبی روایت اور ناقدانہ انفرادیت کی بنا پر اُردو ادب کا اہم سرمایہ ہیں، جو کردار کو فن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ایک نقاد اگر انجمنِ ستائشِ باہمی کا رُکن بن جائے یا وہ ذہنی برہمی کے اظہار کے لئے کسی اہلِ فن کے فن پر ناخن تیز کرے تو یقیناً وہ پاکباز اور باکردار نقاد نہیں کہلا سکتا۔ یہ سید شبیہ الحسن کی خوش بختی ہے کہ وہ سید وحید الحسن ہاشمی جیسے نابغۂ عصر، نادر اسلوب کے حامل مرثیہ گو شاعر کے گھر پیدا ہوئے۔ انہیں اپنے تایا حبیبؔ جونپوری اور دادا سید شبیر حسن صفاؔ کا ادبی ورثہ نصیب ہوا۔ یہ

گھرانہ شروع ہی سے لفظ کو زندگی کا گراں قدر اثاثہ سمجھتا تھا اور سچ کے لئے کبھی غزل کبھی نثر تو کبھی مرثیے کی صنف کو اظہار کا ذریعہ بناتا رہا اور پھر اس گھرانے کا اہلِ بیتِ عظام سے تعلق بھی نشانِ ظفر مندی بنا جس نے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے فن اور شخصیت دونوں کو عرفان و آگہی اور غیبی مدد عطا کی کہ آج وہ بیسیوں کتابوں کے مصنف اور صاحبِ اسلوب شاعر کے طور پر اپنی مثال ڈھونڈتے ہوئے ادب کے مطالعے اور پھر تجزیے کے اور یکجنل بیان پر قادر نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ ان کی شخصیت علم و مطالعے سے مزید تابناک ہوئی۔

- **ڈاکٹر عبدالکریم خالد**

ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کے کے ہاں تصنیف و تالیف کا شغف جس وافر انداز میں ملتا ہے، اس کے مظاہر اُوپر تلے شائع ہونے والی وہ کتابیں ہیں، جن میں اس کے تخلیقی اور تحقیقی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اُس کا ذہنِ رسا تاریخِ ادب کے بطن سے گوہرِ آبدار کی تلاش میں ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتا ہے۔

- **ڈاکٹر طارق عزیز**

'شام وسحر' باقاعدگی سے مل رہا ہے لیکن کوتاہیٔ قلم کہ میں کبھی اظہارِ تشکر نہ کر سکا، استدعا ہے کہ درگزر فرمائیے۔ دسمبر ۲۰۰۴ء کا شمارہ نظر افروز ہوا۔ آپ کے حسن قدردانی کا قدردان ہوں کہ آپ نے یہ شمارہ عصرِ حاضر کی سب سے معتبر ادبی شخصیت جناب سید وحید الحسن ہاشمی صاحب کے نام کیا ہے۔ بلاشبہ وہ ان قرطاس سپاس کے حقدار ہیں۔ سید وحید الحسن ہاشمی کی ذات گرامی بے انتہا وسعتوں کی حامل ہے۔ شمارہ میں شامل مندرجات نظم ونثر کے ذریعے سے ہم اس بحرِ بیکراں سے چشیدۂ نگاہ ہوئے ہیں۔ سیر چشمی کے لئے تو اس نوع کے کئی خاص نمبر درکار ہیں۔

- **قمر بانو ہاشمی**

'شام وسحر' با قاعدگی سے آتا ہے شکر یہ ادبی رسالوں کے حوالے سے یہ بھی ایک روشن چراغ ہے، روشنی کا اپنا ایک مقام کہ تاریکیوں میں راستہ دکھاتی ہے۔

- **ڈاکٹر ریاض قدیر**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے سیف زلفی کے چار غیر مطبوعہ مراثی کو "سیف زلفی کے مرثیے" کے نام سے تجزیہ و تدوین کے ساتھ کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔ مرثیہ کے حوالے سے اُردو تنقید میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن اپنی متعدد تصانیف اور مضامین کے ذریعے ایک ممتاز مقام پیدا کر چکے ہیں۔ سیف زلفی کے مراثی کی تدوین نے اُن کے تحقیقی و تنقیدی اعتبار میں مزید اضافہ ہوگا۔ مراثی کے متون سے قبل لکھے گئے ایک سو چار صفحات جہاں صنف مرثیہ کے فنی اور تخلیق اسرار و رموز کی گرہ کشائی کرتے ہیں وہاں اُردو مرثیے کے تہذیبی محرکات اور سیف زلفی کے مرثیوں کے امتیازی اوصاف کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ کتاب کا نصف اول حصہ جو صنفِ مرثیہ اور سیف زلفی کی مرثیہ نگاری کی تحقیق اور انتقاد پر مبنی ہے اپنی جگہ وقعت کا حامل ہے۔

- **یعقوب تصور**

ڈاکٹر شبیہ الحسن آسمانِ ادب پر ایک درخشاں ستارے کی حیثیت سے نمودار ہو کر بتدریج نظام شمسی ہی کی طرح نظام ادب کے سیارگانِ ضوفشاں میں نمایاں تر ہوتے جا رہے ہیں اور اس کا سبب یقیناً صرف اور صرف ان کی ادبی ریاضت، مسلسل مطالعہ، علمی بصیرت، جذبۂ تحقیق اور پر خلوص و حقیقی انہماک ہے اس مختصر وقت میں ان کے ادبی ذخائر کا خاطر خواہ جائزہ پیش نہیں کیا جا

سکتا اور نہ ہی ان کی توضیح و اظہار بہ طریق احسن اور بہ حد کمال ممکن ہے سو اس محفل میں جس میں امارات کے شائقین اردو ادب تشریف فرما ہیں مختصراً کچھ حقائق پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اب تک کتنی کتابیں لکھی ہیں لیکن جن کا علم ہے ان میں قابلِ ذکر کئی ہیں: مفاہیم، ترجیحات، آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی، وہ کتابیں ہیں جو تنقیدی و تحقیقی مقالات اور مطالعہ پر مشتمل ہیں۔

- **ڈاکٹر عبدالستار نیازی**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا شمار موجودہ عہد کے دانشوروں میں ہوتا ہے۔ وہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے ہراول دستے کے خاموش سپاہی ہیں جو ہر لمحہ اُردو زبان و ادب کی اشاعت اور ترقی کیلئے کوشاں ہیں۔ اُن کی کتب کی تعداد ہاتھوں کی اُنگلیوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ پچھلے دنوں اُن کی اہم کتاب ''تصریحات'' منظر عام پر آئی تو استاد محترم جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے باکمال محبت ایک نسخہ مرحمت فرمایا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ ہمیشہ علم و ادب کے شائقین پر ایسی نوازشات کرتے رہتے ہیں تاکہ معاشرے کے دوسرے افراد پڑھ لکھ کر اچھے انسان بن سکیں۔ یہی اُن کی عظمت کی دلیل ہے۔

- **محمد فیروز شاہ**

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی ادارتی محنتوں نے تخلیقی محبتوں کے محور یوں سجائے کہ ایوانِ شام و سحر دلنشیں روشنیوں کی جگمگاہٹ سے بھر گیا۔ یہ اُن کی مدیرانہ کاوشوں کی داستان تھی مگر ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تحقیقی صلاحیتوں کا بیان بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔

- **مصدق لاکھانی**

ڈاکٹر شبیہ الحسن ان نقادوں اور محققین میں سے ہیں جو ادب کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر میں رکھ کر دیکھتے ہیں۔ تہذیبی اقدار سے اُن کی علمی وابستگی ان کی تحقیق وتنقید کو ایک نہج عطا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ پامال موضوعات پر قلم اٹھانے کی بجائے زیادہ تر ان شخصیات کو تحقیق وتنقید کا موضوع بناتے ہیں جس پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہو۔ اس کوشش میں بسا اوقات وہ نئی معلومات فراہم کرتے ہیں یا کسی ایسے زاویے کو سامنے لاتے ہیں جس میں تنقیدی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

- **ڈاکٹر ہارون قادر**

اپنے مقالے "آل رضا کا فن غزل گوئی" میں شبیہ الحسن نے اپنے قارئین کو بے ساختہ اعتراف نگارش پر مجبور کرتے ہوئے اس یقین کا حامل بنادیا کہ شبیہ الحسن کا تنقیدی شعور تنقید کے مسلمہ اصولوں سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ہمارے کانوں تک ایک تازہ خوشگوار تنقیدی آواز پہنچ رہی ہے اور ایک ایسا تنقیدی لہجہ متعارف ہوا ہے جو روایت کے اعلیٰ اوصاف کے ساتھ عصری مزاج کے فنی تقاضوں سے ہم آہنگی کا اہتمام لازم گردانتا ہے۔ موصوف نے سید آل رضا کو پوری آب وتاب کے ساتھ ہماری فنی تاریخ کے شعری منظر کا ایک مستقل حصہ بنادیا۔

- **پروفیسر فرقان قریشی**

"ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کا تعلق ادبی خانوادے سے ہونے کی بنا پر اُن کے مزاج اور عادات و اطوار میں قدیم اور جدید تہذیب اور روایات کا حسین

امتزاج، گہرا ملاپ اور مخصوص رچاؤ شامل ہے۔ وہ تجربہ کار استاد، کہنہ مشق صحافی، معروف ادیب، نامور شاعر، بہترین محقق، ماہر نقاد، اعلیٰ کمپیئر اور مستند منتظم اعلیٰ ہیں۔ ان کی ایک ذات میں اتنی خوبیاں، اوصاف اور صفات پائی جاتی ہیں کہ انسان حیران اور ششدر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

• جاوید صدیق بھٹی

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن متنوع صفات کے مالک ہیں لیکن ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ وہ طلبہ و طالبات کی دستگیری کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں ان کے سینکڑوں شاگرد ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ ان کے روابط بہت زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اگر ان کا بیس سال پہلے کا بھی کوئی شاگرد آ جائے تو وہ اسے مع اس کے سیاق و سباق کے یاد رکھتے ہیں وہ اپنے طلبہ سے محبت کرتے ہیں اور طلبہ و طالبات ان پر جان نچھاور کرتے ہیں۔ وہ سنجیدہ فکر گفتگو کرتے ہیں اور بے معنی بولنا ان کے نزدیک ایک عیب ہے اسی طرح ان کی تحریروں میں بھی ایک رکھ رکھاؤ اور تمکنت ہے وہ مقدار سے زیادہ معیار پر توجہ دیتے ہیں انہوں نے کم لکھنا جتنا بھی لکھا معیاری لکھا اس برس ان کے پندرہ سے زیادہ مضامین طبع ہو کر اہل دانش سے داد وصول کر چکے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ یہ مضامین جدید و قدیم شعراء اور ادیبوں کی شخصیات اور فن کا کماحقہٗ احاطہ کرتے ہیں۔

• سیّد اعجاز ثقلین بخاری

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی کئی پشتیں علم و ادب اور عرفان و آگہی کی منزلیں سر کرتی رہی ہیں۔ ان کے والد گرامی سید

وحیدالحسن ہاشمی گذشتہ نصف صدی سے شاعری کے میدان میں جم کر کھڑے ہیں اور مرثیہ گوئی میں حدِ کمال کو چھو رہے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے شاعری کے ساتھ ساتھ وہ تمام تہذیبی اور ادبی اقدار بھی ورثے میں پائی ہیں جن کی لطافت اور نفاست نے ان کی شخصیت میں توازن اور گداز پیدا کر دیا ہے۔ علم و ادب اور تہذیبی قدروں سے والہانہ وابستگی کی جھلک ان کی ان تمام تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے انبار لگا کر بھی وہ اپنے طالب علمانہ عجز و انکسار کا اظہار کیے جاتے ہیں اور اپنے علمی و ادبی کارناموں کی طویل فہرست پر احساسِ تفاخر سے سر اٹھانے کی بجائے سر جھکا دیتے ہیں۔ بے نیازی اور درویشی کا یہ رویہ انہیں اپنے والد گرامی سے عطا ہوا ہے جن کا اپنا یہ عالم ہے کہ جدید مرثیے کی مسند اعلیٰ پر براجمان ہونے کے باوجود وہ اپنے اساتذہ کا نام لینا نہیں بھولتے اور ان کے کہے ہوئے کو سند مانتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن چاہتے تو اپنے والد کی طرح شاعری میں نام پیدا کر سکتے تھے کہ شاعری کے تقاضوں سے باخبر بھی ہیں اور اچھا شعر کہنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے لئے تحقیق و تنقید کا میدان پسند کیا اور تفکر و تعقل کی راہ سے گزر کر سوچنے اور مغز کھپانے کے خار مغیلاں وچننے کو اولیت دی۔ شاعری کے چمنستان میں پھلنے اور مصرعوں کی عطر بیز ہواؤں میں سانس لینے کی بجائے وہاں صحراؤں کی جانب چل دیے جس کے گرم بگولوں کی تمازت حواس ہی نہیں جھلستی بلکہ اچھے بھلے انسان کی مت مار کر رکھ دیتی ہے۔ تحقیق اور تنقید کے ساتھ یہی مسئلہ ہے۔ لیکن ڈاکٹر شبیہ الحسن کی علو ہمتی اور جرأت مندی نے اس مسئلے کو بڑی خوبصورتی سے اپنے دام میں اسیر کر رکھا ہے اور کتاب پر کتاب چھاپے جا رہے ہیں۔

- **پروفیسر صفدر نعیم**

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک معروف محقق اور مستند نقاد ہیں۔ وہ ایک علمی اور ادبی گھرانے کے فرد ہیں۔ اُنھیں شعری ذوق ورثے میں ملا ہے۔ ڈاکٹر آغا سہیل اور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی سحر انگیز شخصیت اور علمی تبحر نے اُن کی شخصیت کو نکھارنے میں اساسی کردار ادا کیا ہے۔ وہ اُردو تحقیق، تنقید اور تدریس میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُنہوں نے بہت کم عرصے میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بناپر صاحبانِ علم و ادب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے۔ اُن کی ۲۵ سے زائد تصنیفات و تالیفات شائع ہو کر قارئین ادب سے داد وصول کر رہی ہیں۔

- **پروفیسر وحید عزیز**

عصر حاضر میں ہمارے شعر و ادب کا حال اگر چہ کچھ بہتر نہیں ہے مگر اس کے باوجود کچھ کندھے ایسے مضبوط ہیں جنہوں نے ادب کو اس کے روایتی اقدار کے ساتھ سنبھالنے اور عام لوگوں تک اسے جدید رنگ میں مکمل اور اصل روایت کے ساتھ پہنچانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اگر چہ ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں مگر ان کے عزائم اس قدر مضبوط ہیں کہ جب ان لوگوں کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو عاشقانِ شعر و ادب کو حوصلہ ہوتا ہے کہ ہمارا شعر و ادب ناتواں نہیں ہے اور نہ ہی بے آسرا ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن، ایسے ہی عظیم لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے عصر حاضر کے ادب کی ڈوبتی ناؤ کو اپنے علم کے چپوؤں کا سہارا دیا ہے تاکہ شعر و ادب کی ناؤ طوفانی تھپیڑوں کا مقابلہ کر سکے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ہمارے ادب کا ایسا نام ہے جنہوں نے تعصب سے

پاک ہو کر ادب کی خدمت کی ہے اور کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تقریباً ۲۵ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں زیادہ تر کتابیں تحقیق و تنقید کے حوالے سے ہیں۔

- **پروفیسر ذوالفقار علی**

ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت اور فن کے حوالے سے "آغا صاحب" کی ترتیب و تدوین کے بعد ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اتنے بڑے ناقدین اور صائب الرائے ادباء سے یہ فن پارے تخلیق کروائے اور اپنے محترم استاد ڈاکٹر آغا سہیل کو ایک تحفہ پیش کیا۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں آغا سہیل پر صرف تعریفی کلمات ہی نہیں بلکہ تنقیدی آراء بھی موجود ہیں۔ بعض متنازعہ ہی سہی، شبیہ الحسن صاحب نے ان کو بھی اعتراض کے باوجود شاملِ کتاب کیا ہے، جو ان کی غیر جانبداری کا بین ثبوت ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مضامین اور آراء اخبارات اور پرانے رسائل سے تلاش کیے گئے ہیں، جن کے لئے بڑی ہمت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے، لیکن ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب نے اس کام کو پورا کر دکھایا اور یوں "آغا صاحب" کی صورت میں انہوں نے اُردو ادب کو ایک تحفہ پیش کیا ہے۔

- **مظہر حسین مظہر**

"ڈاکٹر شبیہ الحسن نے جدید روایت اور جدت کے اشتراک سے ایک ایسا تنقیدی نقطۂ نظر اپنایا ہے جو سب سے منفرد اور جُدا ہونے کے ساتھ توازن اور اعتدال جیسے اوصاف سے متصف ہے سب سے بڑھ کر اُن کا اسلوب بیان ہے وہ کسی قیمت پر بھی فنِ تنقید اور اصولِ نقد و نظر کو قربان نہیں ہونے دیتے بلکہ نفیس اور

لطیف پیرائے میں ایسی اچھوتی بات کر جاتے ہیں جو نہ تو آئین کے منافی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی تخلیق کار کی دل آزاری کا باعث، اس طرح کلمۂ خیر کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقِ تنقید بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اُن کے ذہن رسا، عصری حسیت، قوتِ متخیلہ، تنقیدی بصیرت، لسانیات پر عبور، منطقی اور مدلل اندازِ فکر، وسعت اور بالغ نظری، نظم و نثر پر دسترس اور بعض دیگر موروثی خواص نے نہ صرف اُنہیں باشعور نقاد بنا دیا ہے بلکہ اِن تمام محاسن کے سبب اُن کی حیثیت ایک صاحب طرز اور قادر الکلام ادیب سے کسی طور کم نہیں انہوں نے ایک نئے تنقیدی دبستان کا سنگِ بنیاد رکھ کر سطحی اور ستائشی تنقید کے بند توڑ دیے ہیں ایسے میں اُن کے مقالے اور مضامین نثر کا شاہکار بن گئے ہیں جس سے منزلِ انتقاد کو ڈھونڈنے میں کافی حد تک آسانی پیدا ہو گئی ہے۔"

- **سعید احمد سعید**

"ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی کتاب "تصریحات" تحقیق و تنقید سے ان کی گہری وابستگی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ کتاب کے سرورق پر سورج تاریکی دُور کرتے ہوئے طلوع ہوتا دکھایا گیا ہے۔ مجھے ایسا لگا جیسے صاحبزادہ سیّد شبیہ الحسن علم و ادب کے مشرقی اُفق پر سے نئی جہتوں اور نئی سوچوں کے ساتھ طلوع ہو رہے ہیں جبکہ کتاب کی پشت پر منفرد انداز سے بحیثیت "Orator" تھری پیس کے ساتھ ایک خوبصورت تصویر چھپی ہے جس سے ان کی بھرپور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

- **مرید عباس خاور**

"ہمارے رویّوں کی سنگدلی میں اضافہ ہو رہا ہے ادب کو ایسے ماحول میں زندہ

رہتا ہے۔ ایسا ماحول جس میں زمین سے نمی غائب ہو رہی ہے بڑا شاعر کہاں ہے؟ اس تلاش میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن دوسرے نقادوں کی نسبت زیادہ متحرک ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اوریجنل نقاد لفظوں کے اندر سخن کے موتی بھی دیکھ لیتا ہے اور وہ اضافی الفاظ بھی جو سوتی تو ہوتے ہیں مگر سچے موتی نہیں ہوتے جس طرح ماہر فلکیات کو اب پلوٹو کے بونے سیارہ ہونے کا پتہ چل رہا ہے۔ جس طرح کلوننگ سوسائٹی ایمان سے خالی نظام کا نتیجہ بن چکی ہے وجہ ہر عمل میں تعجیل بھی ہے اور اپنی پیشواؤں کی تعلیمات سے دوری بھی انسان نجانے کب سے خدا کو لیبارٹری میں ٹیسٹ کرنے کے جنوں میں مبتلا ہے یہ ایسے بھی ہے کہ تصویر اپنے مصور بارے گمان کرے۔ ایسے بے سخن عہد میں جب لفظ کی حرمت سے زیادہ لفظ کا بار اسے حسن سے دور لے جا رہا ہے۔ رثائی، نعتیہ ادب نہ صرف ہر جہان میں ہمارا نجات دہندہ بن سکتا ہے بلکہ ہمارے افکار کو آلودگی سے بچا سکتا ہے۔"

- **مشتاق احمد**

"ڈاکٹر شبیہ الحسن اردو ادب کے افق پر شہرت کی بلندیوں کو چھوتا ہوا ایک درخشندہ ستارہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ادب کے میدان میں برسوں ریاضت کی ہے۔ یہ عصر حاضر میں ادبی کارہائے نمایاں سرانجام دینے والی Multidimensional Personality کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بیک وقت معلم، شاعر، ادیب، نقاد، محقق اور ایڈیٹر شام و سحر ہیں۔ ان کی تحریر قرطاس ذہن پر منقش ہوتی چلی جاتی ہے۔ تنقید نگاری کرتے ہیں تو خوبیوں اور خامیوں کو الگ الگ کر کے دکھا دیتے ہیں۔ تحقیق کرتے ہیں تو تمام خفیہ گوشوں کو افشاء کر کے رکھ دیتے ہیں۔ گویا ان کی تحقیقی کتاب میں Treasure of

Knowledge بدرجہ اُتم موجود ہے جو عصرِ حاضر کے دیگر ریسرچ سکالرز کے ہاں شاذ و نادر ہی دکھائی دیتا ہے۔''

- **محمد افضل ثاقب**

''ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن صاحب کے دل میں نہ صرف تخلیق کاروں سے پیار اور محبت ہے بلکہ وہ ان کے لیے بہت سے عملی کام بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق اس قلم قبیلے سے ہے جو نہ صرف بڑے شہروں میں رہتے ہیں بلکہ دور دراز مضافات میں اپنی جھوکیں آباد کر کے اوریجنل اور خالص ادب تخلیق کر رہے ہیں اور ایسے لوگ ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا ہے۔''

....

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے

ماہنامہ **شام و سحر** لاہور

کے حوالے سے دانشوروں کی آرا

◆◆

- **پروفیسر کرار حسین**

''مجھے یہ رسالہ پسند ہے اور آپ کی اس کوشش پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔''

- **ڈاکٹر فرمان فتحپوری**

شام و سحر کی زیارت سے قلب و ذہن سیراب ہوتے رہتے ہیں، آپ کے لطفِ خاص کے سبب، آپ کی ادارت اور استقامت کی داد دیتا ہوں کہ پرچہ پابندی

وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

- **پروفیسر ممتاز حسین**

"شام وسحر کا اداریہ پڑھ کر جی بہت خوش ہوا۔ ہارس ٹریڈنگ کا فقرہ خوب چسپاں کیا ہے اور پھر ادب کے قاری حضرات کو بھی صورت حال کی تبدیلی سے متعلق خاصا چونکایا ہے۔"

- **ڈاکٹر وزیر آغا**

"خدا آپ کو ہمت دے کہ "شام وسحر" کو اسی طرح جگمگاتے رہیں۔"

- **میرزا ادیب**

"آپ "باتیں" میں کچی باتیں مخلصانہ انداز میں کہتے ہیں، فوراً دل میں اتر جاتی ہیں۔"

- **ظہیر کاشمیری**

"میرے خیال میں آج کل آپ "شام وسحر" ہی مرتب نہیں کر رہے بلکہ علمی و ادبی دنیا میں کارنامے انجام دے رہے ہیں۔"

- **ضمیر جعفری**

"شام وسحر" میں وہ سب کچھ ہے جو زندگی کی شام وسحر میں موجود ہے۔"

- **سیّد وحیدالحسن ہاشمی**

"آپ کے رسالے شام وسحر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر ماہ تسلسل اور تواتر سے شائع ہو رہا ہے جبکہ اکثر جریدے پوری شان وشوکت سے نمودار ہوئے اور پھر ابدی نیند سو گئے۔ رسالے کا جنم لینا کوئی اہم خوبی نہیں ہے اُس کی عظمت و بڑائی اُس مواد پر ہے جو رسالے کے بطن میں موجود ہوتا ہے۔ شام و

سحر میں نثری مضامین بھی ہیں اور قدیم وجدید شعرا کا کلام بھی۔ افسانے تنقیدی مضامین، تبصرے، اداریے اور ادیبوں کے لائق توجہ خطوط بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوتے۔ رسالہ شام وسحر کئی برسوں سے ادیبوں کی شخصیت اور فن پر نمبر نکال رہا ہے۔ ان نمبروں سے ہمیں کسی ادیب و شاعر کی زندگی اور اُس کی فنی خصوصیات کا ادراک ہو جاتا ہے مثلاً پچھلے چند مہینوں میں عمر فیضی نمبر، جعفر بلوچ نمبر اور حمید کوثر نمبر شائع ہوئے جن سے کئی پوشیدہ گوشوں کا علم ہوا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آئندہ بھی لاہور سے دور دراز بسنے والے ادیبوں اور شاعروں کے تفصیلی حالات پر مبنی نمبر شائع ہوں گے۔ اگرچہ یہ کام مشکل ہے مگر لگن ہو تو جوئے شیر نکالی جاسکتی ہے۔

- **ڈاکٹر آغا سہیل**

''شبیہ الحسن کے مرقوم مختصر اداریے انتہائی پر مغز اور اہم موضوعات پر قارئین ادب کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہیں۔ اگر بہ یک نظر از اول تا آخر ان پر توجہ کی جائے تو آئندہ کے نئے اصلاحی راستے کھل سکتے ہیں۔''

- **ڈاکٹر انور سدید**

''شام وسحر'' کے اداریے بنیادی طور پر مسائل کے اداریے ہیں۔ یعنی جن سے دنیائی الوقت دوچار ہے اور جو ادب کے صحت مند ارتقا میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر مدیر ''شام وسحر'' نے ہمیں مصائب سے آگاہ کرنے اور ادب کے راستے سے خاروخس ہٹانے کا مشورہ دیا ہے۔''

- **ڈاکٹر صدیق شبلی،**

''آپ کی ہمت قابل داد ہے کہ اس کساد بازاری کے دور میں آپ ایک ادبی

رسالہ تسلسل کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔"

- **ڈاکٹر خیال امروھوی**

دعائے ہنر وعلم اندوزی۔ آپ کی جانب سے ایک جہازی ملفوف ابیض میں آپ کی تفصیلی خدمات کا مجموعہ موصول ہوا۔ موسی شدت، علالت کی صحت نے صریرِ خامہ سے آپ وتو اں چھین کر بے مقصد انسان بنا دیا۔ ملک معراج خالد ایکسلینس ایوارڈ ملنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

- **پروفیسر محسن احسان**

مجھے 'شام وسحر' کے چار شمارے اکٹھے ملے جی خوش ہو گیا کہ آپ نے غیر حاضری پر بھی یاد رکھا۔ میں آپ کا پرانا مدّاح ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ جن مشکل حالات میں علم وادب اور زبان وتہذیب کی خدمت کر رہے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔ ہر شمارے میں مضامین بڑے عمدہ ہوتے ہیں اور معلومات افزاء

- **محترمہ بانو قدسیہ**

"اس عہد میں جب رسالے رنگوں سے اور رنگ سیاست سے اور سیاست شخصیت کے اشکال میں ڈھلتی رہتی ہے آپ کا رسالہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ابھی کچھ لوگوں کو ادب' ادیب اور قاری کی فکر ہے۔"

- **قاضی جاوید**

"آپ کی بندہ نوازی سے "شام وسحر" کے ساتھ رابطہ برقرار ہے۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کی صحت اور مسرتوں کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ بہت سے دوستوں کی طرح میں بھی سب سے پہلے آپ کی "باتیں" پڑھتا ہوں اور پھر

''نامے مرے نام'' اس بار ''باتیں'' دوبارہ پڑھنی پڑیں۔ واقعی یہ کس قدر خوشی کی بات ہے کہ نامساعد حالات کے باوجود آپ کے جریدے نے بائیس برس مکمل کر لئے ہیں اور تیئسویں میں قدم رکھ دیا ہے۔ ازراہِ کرم میری طرف سے مبارک باد قبول فرمایئے۔ خدا کرے کہ آپ کا یہ سفر جاری رہے اور آپ ہر ماہ اسی طرح دلوں پر دستک دیتے رہیں۔ بائیس برس کا طویل سفر آپ اور آپ کے معزز ساتھیوں کی پر خلوص کومٹ منٹ کی یاد دلاتا ہے۔ اس وابستگی نے 'شام وسحر' کو اس کی انفرادیت بھی عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وخرم رکھے۔

- **جعفر شیرازی**

سال کے اختتام کے بعد آپ جو کچھ قارئین کی نذر کرتے ہیں وہ دوسرے لوگ نہیں کر پاتے۔ ادب میں ایسی اختراعات، ادب میں ایک ہی روش پر چلنے والے تھکے ہوئے لوگوں کو چونکا دینے کے لیے ضروری ہیں۔ جمود کو بہر حال ٹوٹنا چاہیے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جب آپ میں بھرپور صلاحیتیں ہوں۔ یہی زندگی ہے۔

- **ڈاکٹر شوکت زرّیں چغتائی**

میں نے دیکھا ہے کہ آپ ہر لکھنے والے کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں، کوئی آپ کی نظر میں خاص و عام نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو 'شام وسحر' میں کوئی نہ کوئی موقع ضرور فراہم کیا جاتا ہے۔ اس سے بہتر علم و ادب کی سرپرستی ہو ہی نہیں سکتی جو آپ 'شام وسحر' کے ذریعے فرما رہے ہیں۔

- **جعفر بلوچ**

'شام وسحر' ماشاءاللہ بہت خوب جا رہا ہے اور اپنے معیارِ انتخاب وترتیب کے حُسن

کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ سال کے آخر میں آپ جو کارروائیاں فرماتے ہیں وہ بہت اچھی ہیں۔ خصوصاً سال بھر کی اشاعتوں کا جائزہ شائع کرنا ایک اچھی اور مفید روایت ہے۔ لیکن گزشتہ نگارشات کی مکرر اشاعت میرے خیال میں تجاوزات کی ذیل میں آتی ہے۔

- **ڈاکٹر سعادت سعید**

آپ کی ادارت میں منظر عام پر آنے والے "شام وسحر" کے پرچے اپنے علمی و ادبی معیار کے اعتبار سے منفرد اور ممیز ہیں۔

- **پروفیسر سجاد حارث**

جس لگن اور "کاسموپولیٹن" انداز سے "شام وسحر" شائع کر رہے ہیں یقیناً یہ ایک قابل ستائش کارنامہ ہے۔

- **پروفیسر نظیر صدیقی**

آپ ادیبوں اور شاعروں پر محدود صفحات کے نمبر نکال کر ایک مفید خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

- **حمایت علی شاعر**

"شام وسحر پابندی سے ملتا ہے۔ آپ ماشااللہ بڑے قرینے سے اپنی مخصوص روایت کے ساتھ رسالہ ترتیب دیتے ہیں۔ مطالعے کیلئے مواد بھی خوب ہوتا ہے۔ بعض مضامین فکر انگیز بھی ہوتے ہیں۔"

- **خالد اقبال یاسر**

زیر نظر شمارہ فن و شخصیت پر آپ کے خصوصی شماروں کے نہ رکنے والے سلسلے کی حالیہ کڑی ہے۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے کہ آپ نامور شاعروں اور ادیبوں کے

ساتھ ساتھ اُن پر بھی خصوصی نمبر شائع کرتے ہیں جو زیادہ معروف نہیں ہیں لیکن ان کا کام متنوع اور وقیع ہے۔ آپ کی نیک نیتی بہر حال قابلِ توجہ ہے اور آپ اس پر تحسین کے مستحق ہیں۔

- **ساحر لکھنوی**

میں ''شام وسحر'' کے عملۂ ادارت کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ہاشمی صاحب کے بارے میں خصوصی نمبر شائع کر کے ایک ضروری فریضہ ادا کیا۔

- **شریف کنجاھی**

حمید کوثر نمبر ملا اور اس میں وہ سب کچھ پایا جو کسی میں ہو سکتا ہے۔ پھر بھی انسانی کاموں کو کسی طرح مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے ایک چیز کھٹکتی ہے کہ کوثر صاحب نے کیوں حفیظ صاحب کی وفات پر نثر میں یا نظم میں اظہارِ غم نہیں کیا اور کیوں ۱۹۷۷ء کے بعد کا کوئی خط نہیں مل سکا۔

- **ڈاکٹر علی محمد خاں**

آپ نے 'شام وسحر' کا 'عمر فیضی نمبر' نکال کر بہت بڑا کام کیا ہے۔ فیضی صاحب نے اگرچہ بہت کم کہا ہے لیکن وہ اتنے پائے کا ہے کہ ان کا شمار شعر وادب کے اساتذہ میں ہو۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے ایک مربی ومحسن کا نام زندہ رکھنے میں راست قدم اٹھایا ہے اور آپ میرے نزدیک مبارکباد کے مستحق ہیں کہ 'شام وسحر' آپ کی ادارت میں راہِ ترقی پر گامزن ہے۔

- **سلطان رشک**

آپ سے ملاقات کم کم، محبت بہت زیادہ ہے۔ میں آپ کے علمی، ادبی اور فکری کاموں سے آگاہ ہوں اور اندرونِ قلب سے آپ کا مداح ومعترف ہوں۔

- **اصغر ندیم سیّد**

""شام وسحر" سچے اور دیانتدار رویوں کا ترجمان ہے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ نے نئے نقادوں کو راستہ دکھایا ہے اور ادب میں ان کی جائز حوصلہ افزائی کی ہے۔خدا آپ کو علم دوستی کی مزید توفیق دے۔"

- **سلطان جمیل نسیم**

""شام وسحر" کے اداریے اگرچہ مختصر ہوتے ہیں لیکن غزل کے فکر انگیز اشعار کی طرح دل میں اتر جاتے ہیں۔"

- **پروفیسر غلام حسین ساجد**

""آپ نے "شام وسحر" کے اداریے میں تخلیق کاروں کی باہمی آویزش پر کڑی گرفت کی ہے۔"

- **ڈاکٹر ریاض قدیر**

یہ امر مسرت افزا ہے کہ آپ اُردو زبان وادب کی خدمت کا سفر مستقل مزاجی اور بلند حوصلگی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں۔'شام وسحر' کا خاص وصف جو ہمیشہ مجھے متاثر کرتا رہا ہے، یہ ہے کہ اپنی مختصر ضخامت کے باوجود یہ شمارہ ہر ماہ جہاں اُردو کے بڑے ادیبوں کی نمائندہ تحریروں سے مزین ہوتا ہے، وہاں بساطِ ادب کے نوواردان کی تربیت کا فریضہ بھی نہایت ذمہ داری سے انجام دے رہا ہے۔

- **پروفیسر منیر قصوری**

""آپ کا مجلہ شام وسحر، جعفر بلوچ نمبر نظر نواز ہوا۔اس کا سرورق دیکھتے ہی دل کو انتہائی مسرت ہوئی

ع ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

جو علم و ادب کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔ آپ نے حقدار کو اُس کا حق دے کر تاریخِ ادب میں ایک بڑا کارنمایاں انجام دیا ہے۔ آپ کا مجلہٗ مذکورہ نعت نمبروں کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند میں شہرتِ دوام پا چکا ہے۔ نعت کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھانے والا کوئی لکھاری بھی اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

- **ڈاکٹر نواز حسن زیدی**

''عصر حاضر کے ادب گُش ماحول میں ''شام و سحر'' کا شائع ہونا اور مسلسل شائع ہونا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ شام و سحر میں شائع ہونے والی ہر تحریر اپنی نوعیت کے اعتبار سے وقیع اور قابلِ قدر ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس جریدے کے مختلف شخصیات پر نکالے گئے نمبر انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ادبی رسائل کی تاریخ میں شام و سحر ایک اہم دستاویز ثابت ہوگا۔

- **ڈاکٹر قاسم جلال**

''دلی خوشی ہوئی کہ آپ نے زندہ اہلِ قلم پر خصوصی نمبر شائع کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ جعفر بلوچ نمبر شائع کر کے آپ نے اُن حقیقی اہلِ علم و ادب کی خدمات کو اُجاگر کرنے کی طرح ڈالی ہے جو لابیوں، گروہ بندیوں اور جوڑ توڑ سے بے نیاز ہو کر قرطاس و قلم سے رشتہ استوار کیے ہوئے ہیں۔ آپ کی مساعی سے وہ حقیقی ٹیلنٹ سامنے آئے گا جس کے رشحاتِ فکر کی ملک و قوم کو اشد ضرورت ہے اور جسے ذرائع ابلاغ نے بری طرح نظر انداز کر رکھا ہے۔''

- **ڈاکٹر اشفاق احمد ورک**

''آپ نے شخصیات کے بارے میں تفصیلی کوائف کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ آنے والے دور میں تحقیق کے میدان میں یقیناً خاصا وقیع ثابت ہوگا۔ پھر آپ

نے شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا بھی خوبصورت سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔"

- **آثم فردوسی**

"اس طوفانی ماحول میں "شام وسحر" کا عرق ریزی کے ساتھ شائع ہونا ادبی دنیا کا معجزہ ہے۔"

- **پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد بیگ**

میں آپ کی علمی و ادبی کاوشوں کا ہمیشہ قدردان رہا ہوں۔ آپ علم و ادب کے فروغ کے لیے جو کوششیں کرتے ہیں میں انہیں تحسین کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ ماہنامہ 'شام وسحر' آپ کے تعاون سے ہر ماہ دردل پر دستک دیتا ہے۔ گزشتہ ماہ "حمید کوثر" نمبر نکال کر آپ نے علم و ادب دونوں کی خدمت کی ہے۔ آپ کی اس کاوش کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

- **ڈاکٹر مرغوب حسین طاہر**

خدا آپ کو اجر عطا فرمائے کہ آپ ایسی شخصیات کے لیے بھی اپنا شمارہ مختص کرتے ہیں جن کی کوئی لابی نہیں ہوتی۔ حمید کوثر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں ۷۴-۱۹۷۳ء میں میرے استاد رہے۔ رسالہ میں ان کی زندگی، شخصیت اور علمی و ادبی سرگرمیوں کے کئی پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد کم ہے لیکن انہوں نے اصل سرمایا ان لاتعداد شاگردوں کی صورت میں چھوڑا ہے جو ان سے فیض یاب ہوئے۔ حمید کوثر صاحب طلباء میں صرف ادبی ذوق ہی پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی ذہنی، فکری اور نظریاتی تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ ایسے لوگ جو نئی نسل کی اخلاقی اور روحانی رہنمائی کرتے ہیں مسیحا کا

درجہ رکھتے ہیں مگر آپ جیسے چند ایک لوگوں کے سوا کسی کو ایسی شخصیات کو خراج تحسین پیش کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ اس عمل سے مالی اور مادی منفعت کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ میں آپ کو اس کارِ خیر پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

- **پروفیسر جمیل احمد عدیل**

''شام و سحر'' کے بغیر اب شام و سحر کی گردش بے معنی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ سچی بات ہے آپ کے مختصر سے مگر مکمل ادبی جریدے کی اس عاجز کو''عادت'' ہو گئی ہے۔ آپ کا ممنون ہوں کہ باقاعدگی سے آپ مجھے ''شام و سحر'' بھجوا رہے ہیں۔ محکمہ ڈاک والے بھی شاباش بلکہ تحسین کے مستحق ہیں کہ نادانستگی میں بھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرتے، اس طرح شام و سحر کی روایت میرے ہاں تو قوی بھی ہے اور مرفوع بھی۔ یہ بھی عجیب کرم ہے اوپر والے کا کہ یہ رسالہ مرفوع القلم اصحابِ قلم سے محفوظ ہے۔

- **ڈاکٹر ریاض کامل**

ماہ نامے کی دو تین خصوصیات نے خاص طور پر متاثر کیا۔ اولاً تو یہ کہ تقریباً تمام مضامین تنقیدی ہیں۔ افسانوی ادب تو اکثر رسالوں میں مل جاتا ہے مگر تنقیدی سواد عموماً مفقود ہوتا ہے مثلاً اقبال کی شاعری کا کلاسیکی پہلو پہلے کبھی میری نظر سے نہ گزرا تھا۔ ثانیاً ایک ہی شخصیت پر مضامین ایک ہی جگہ پر دستیاب ہو جانا بھی بہت اعلیٰ خصوصیات ہے۔

- **ڈاکٹر ضیاالحسن**

آپ نے 'شام و سحر' کو تسلسل سے ایک اہم ادبی رسالہ بنانے میں جو کاوش کی

ہے، وہ بے حد قابلِ تعریف ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے حوالے سے خصوصی شمارہ دیر تک زیرِ بحث رہے گا۔ سلیم اختر کا شمار اُردو کے اہم افسانہ نگاروں اور نقادوں میں ہوتا ہے۔ ان کے فن اور شخصیت پر آپ نے وقیع مضامین شامل کیے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر زندہ ادیبوں پر کام کرنے کا رواج کم ہے۔ آپ جیسے صاحبِ بصیرت لوگ ہیں جو بڑے لوگوں کے کام کا اعتراف یوں کھلے دل سے کرتے ہیں۔

- **ڈاکٹر محمد کامران**

''شام و سحر'' کے تازہ شمارے میں آپ نے عمر فیضی کی یاد میں جو کہکشاں سجائی ہے لائقِ تحسین ہے۔ ایسے مرنجاں مرنج، نستعلیق، وضع دار اور اعلیٰ تخلیقی جوہر کے حامل شاعر کو ادبی برادری نے جس طرح نظر انداز کیا اس پر ہمیں بجا طور پر ندامت ہونی چاہیے۔ آپ نے ادبی برادری کی اجتماعی فروگذاشت کا ''کفارہ'' ادا کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ ادبی مراکز اور ہر قسم کے سود و زیاں سے بے نیاز، پرورشِ لوح و قلم کرنے والے ایسے بے مثل شاعر کو ڈھونڈنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں۔ خدا ان کے درجات بلند کرے اور آپ کو اس ادبی نیکی کی جزا دے۔

- **پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال**

آپ کی ادبی، صحافتی خدمات تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ''شام و سحر'' کی صورت انہیں جاری و ساری رکھے اور آپ کو درازیٔ عمر کے ساتھ سدا صحت مند رکھے۔ آمین!

- **ابرار حامد**

ماہنامہ ''شام وسحر'' کو آپ نے ادبی دنیا میں جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ میں آپ کی ادبی خدمات کو سلام کرتا ہوں۔ اس میں شامل شاعری، افسانے، خاکے اور دیگر مضامین کا انتخاب ایک بہترین انتخاب کے زمرے میں آتا ہے۔ آپ کی یہ مسلسل کاوشیں یقیناً بارآور ہوں گی بلکہ ہو چکی ہیں۔ اب تو ''شام وسحر'' کا انتظار رہتا ہے۔

- **کرامت بخاری**

میں نے ''شام وسحر'' پہلی ہی نشست میں ختم کر لیا اور سوچا کہ فوراً جواب لکھ دیا جائے۔ اس دفعہ اشاریہ اور جائزہ دونوں بہت خوب رہے۔ مختصر، جامع اور موثر ''شام وسحر'' کئی ادبی جرائد سے کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ آپ ان تمام شخصیات کے حوالے سے مضامین اور تنقیدی تخلیقات پیش کرتے ہیں، جن کو دانستہ طور پر بھلا دیا گیا ہے۔

- **سیدمسعودزیدی**

''شام وسحر'' نہایت باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔ آپ جہاد مسلسل کر رہے ہیں۔ اس ناقدری کے دور میں اس قدر مستقل مزاجی سے ادبی رسالے کا اجراء کرنا صرف آپ کا حوصلہ وہمت ہے۔

- **موسیٰ نظامی کلیم**

یہ شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ماہنامہ ''شام وسحر'' اب اپنے معیاری مضامین اور ''گیٹ اپ'' کے لحاظ سے عالمگیر، ہمایوں، ساقی وغیرہ کا ہم پلہ نظر آ رہا ہے۔ اس عظیم الشان کامیابی اور ترقی پر آپ کو تہہ دل سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ ''گر قبول افتد زہے عز وشرف''

• پروفیسر عباس تابش

''شام وسحر'' جس باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اُس کا تو میں آغاز ہی سے معترف ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس ادبی جریدے کا معیار بھی برقرار رکھا ہوا ہے۔ کچھ تخلیق کار تو ایسے ہیں، جو صرف ''شام وسحر'' میں شائع ہوتے ہیں۔ان شعراوادبا کے تخلیقی مزاج سے ''شام وسحر'' ایک الگ دبستان کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

یہ جو آپ نے سال بھر کی تخلیقات کے انتخاب کی روایت قائم کی ہے، یہ' شام وسحر' کے علاوہ کہیں نہیں۔ اس پر آپ کو جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ میں آپ کی ہمہ جہت شخصیت پر کبھی کبھی رشک کرتا ہوں۔آپ اتنی مصروفیات کے باوجود 'شام وسحر' کو جس توجہ اور محبت سے مرتب کرتے ہیں، وہ صرف اور صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ایک اور بات جس کی طرف توجہ دینا انتہائی ضروری ہے، وہ آپ کا غیر جانبدارانہ رویہ ہے۔آپ کے جریدے میں مجھے ہر گروپ کا ادیب دکھائی دیتا ہے، یقیناً یہ آپ کی شخصی خوبی ہے کہ آپ متضاد سوچوں کے حامل لوگوں کو یکجا کر دیتے ہیں۔کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ''شام وسحر'' کی ضخامت بڑھا دیں۔''

• ڈاکٹر اسد عباس

مئی کا 'شام وسحر' ملا۔اداریہ بہت خوب ہے۔آپ نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ گزشتہ پندرہ بیس برس کے دوران کسی بڑی ادبی تحریک کا پیدا نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔آپ کے اس سوال کے جواب میں انور سدید، حسن عسکری کاظمی، سہیل عباس خان، اظہر جاوید، خیال امروہوی، عبدالکریم خالد، ناصر زیدی، محمد

حامد سراج، جعفر بلوچ، محمد فیروز شاہ، ظفر الحق چشتی، شہزاد احمد جیسی شخصیات دے سکتی ہیں۔ ہر چند یہ بڑے لوگ ہیں۔ ایک عہد ان کا معترف ہے، میرے بھائی آج کل ہمارے ملک میں چند ایک تحریکیں چل تو رہی ہیں لیکن ان پر مخصوص لوگوں کا قبضہ ہے۔ اگر وہ رسالہ نکالتے ہیں تو محض اپنا ہی کلام شائع کرتے ہیں کوئی مشاعرہ ہو تب بھی وہی نام، میں کافی دنوں سے اس غور و فکر میں ہوں کہ پندرہ بیس برس تو کیا صرف دس برس قبل بھی کوئی بڑی تحریک پیدا ہو جاتی تو آج ہمارا ادب منافقتوں کی زد میں نہ ہوتا...... آگے جا کر آپ نے اداریے میں لکھا ہے کہ ''خاص طور پر مضافات میں رہنے والے تخلیق کاروں کو چاہیے کہ وہ اس حوالے سے اجتماعی ادب تخلیق کریں تا کہ ان کی تخلیقات سے ادبی تاریخ کی ایک سچی اور کھری دستاویز مرتب کی جا سکے'' بھئی میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے مضافات میں بہت موثر ادب تخلیق ہو رہا ہے، میں زیادہ باہر نہیں جانا چاہتا کہ ہمارے علاقے (مضافات) میں ''شفیع بلوچ'' جیسا افسانہ نگار، حسین اُلفت بلوچ جیسا غزل گو موجود ہے۔ ان کا مضافاتی ادب میں نام ہے بلکہ یہ کمال لوگ ہیں، اس سلسلے میں پچھلے دنوں جدید اُردو نظم کے عمدہ ترین نظم نگار عامر عبداللہ سے میری بات ہوئی وہ کہہ رہے تھے کہ میں یہ دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کل شہروں کی نسبت مضافات میں بہت موثر اور احتجاجی ادب تخلیق ہو رہا ہے لیکن نئے لکھنے والوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا جا رہا۔ ان کی چیزیں نام نہاد گروپوں والے شائع نہیں ہونے دیتے اور انہیں بغیر پڑھے سوچے سمجھے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مضافات میں بہت کم لوگ ہیں جو آج کل رسائل میں چھپ رہے ہیں۔ بھئی آپ جو بھی اداریہ لکھتے ہیں لفظ لفظ دعوت دیتے ہیں۔

- **محمد ھارون عثمانی**

اکتوبر کے شام وسحر نے بہت متاثر کیا۔ڈاکٹر سلیم اختر ہمارے عہد کے ایک بڑے ادیب اور دانش ور ہیں۔اُن کے ادبی کارنامے کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن استاد کی حیثیت سے ان کی علمی شخصیت عام لوگوں کے نگاہوں میں اوجھل تھی۔آپ نے ڈاکٹر سلیم اختر کی استاد کی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے 'شام وسحر' کا شمارہ خصوصی طور پر شائع کیا ہے جو یقیناً قابلِ تحسین ہے۔اس خصوصی شمارے کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ اُس وقت چھپا جب ۵ر اکتوبر کو پوری دنیا میں ''سلام ٹیچر'' کا دن منایا جا رہا تھا۔اس خوبصورت کاوش پر میری طرف سے مبارکباد قبول کیجئے۔اس نوعیت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے کیونکہ اہل ادب کی ناقدری ہمارا معاشرتی المیہ بن گیا ہے۔جس کی مذمت کرتے ہوئے ہمیں اُن کی علمی عظمتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے۔اس شمارے میں ڈاکٹر سلیم اختر کی علمی شخصیت کے بہت سے پہلو عیاں ہوئے ہیں۔ جناب وحیدالحسن ہاشمی صاحب کی نظم کا تو جواب ہی نہیں ہے۔

- **رائے نویدالحسن**

کسی بھی معاشرے میں ادبی طرزِ احساس کو پھیلانے میں رسائل اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ان کی وساطت سے نئے نئے شاعروں، ادیبوں، محققوں اور نقادوں کے لہجوں کی شناسائی ہوتی ہے۔یہاں اُن کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ادبی ذوق کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے معیار کو بھی بڑھائیں۔''شام وسحر'' کا باقاعدہ قاری ہونے کی حیثیت سے یہ بات کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ اس نے اپنا معیار کبھی گرنے نہیں دیا۔اس نے جہاں تخلیق کے لئے نمونے پیش کیے ہیں وہاں تخلیق کاروں کی بھی مختلف جہات کو ہمارے سامنے لایا ہے۔

- **شبہ طراز**

نومبر اور دسمبر ۲۰۰۱ء کے شماروں میں آپ کے اداریے بہت درست ہیں لیکن جس طرح مُلّا کا تمام اسلام عورت کے پردے کے گرد گھومتا ہے اسی طرح آپ کا غصہ خواتین شاعرات پر زیادہ لگا۔ دراصل مرد حضرات اس طرح کی شاعرات کو ایک جانب تو ہوا دیتے ہیں اور دوسری جانب شاید اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جھوٹی سچی تعریفوں کے ساتھ ساتھ امداد بھی کرتے ہیں۔ امدادی شاعری پر انحصار کرنے والے مرد شاعروں کی تعداد بھی کافی ہے لیکن چونکہ میڈیا بذاتِ خود ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے بات دب جاتی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں نقصان ادب کو پہنچتا ہے بلکہ ادب سے زیادہ ادب کا قاری نقصان میں رہتا ہے۔

- **محمد جامد سراج**

علم و آگہی کے اس روشن جریدے میں شامل تمام اصنافِ سخن نے روح کو جلا بخشی۔ آپ کا اداریہ خاصا فکر انگیز ہے اور صاحب علم کو جھنجوڑنے کو کافی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جس عہد میں ہم سانس لینے کے عذاب سے گزر رہے ہیں وہاں توقیر کا معیار دولت ہے۔ وہ عہد خواب و خیال ہوئے جس میں صاحبانِ علم کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا۔

- **مسز عقیلہ کاظمی**

''شام و سحر'' کے ہفت رنگ دلوں پر دھنک برساتے رہتے ہیں۔ آپ کی کاوشیں اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کا ''نقطہ نظر'' اور پروفیسر حسن عسکری کا مضمون قابلِ تعریف ہے۔ افسوس اور حیرت اس نہج پر ہوتی

ہے کہ یہ ادبی دنیا کے قد آور لوگ ہیں جو ہم جیسوں کے لئے رول ماڈل ہیں مگر جب ایسے رویے دیکھنے کو ملتے ہیں تو سوا اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ

نک نک دیدم نہ کشیدم

اللہ انہیں محبت کا رستہ دکھائے اور اس پر آشوب زمانے میں یہ لوگ اچھی روایت قائم کر سکیں۔

- **علی حسین جاوید**

آپ جیسے اہلِ قلم کا دم غنیمت ہے جو ادبی پرورش کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور یہ تحریک آپ اور آپ جیسے دیگر اہلِ قلم ہی کی مرہونِ منت ہے کہ آج ہمارے سامنے ایک ایسا ادب پروان چڑھ رہا ہے جو معاشرتی فلاح کا راستہ بھی دکھا رہا ہے اور ایک فنکار کے احساسات کی ترجمانی بھی کر رہا ہے۔ مزید براں ادب کے روشن امکانات کا مظہر بھی ہے۔

- **پروفیسر ظفر الحق چشتی**

ایک بات برادرم ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے اداریوں کے حوالے سے یہ ہے کہ اُن کی باتیں ایک دردمند دل کی آواز ہیں۔ وہ علم و دانش اور شعر و ادب کو عصرِ حاضر کے حالات و واقعات کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عصرِ حاضر پر اُن کی گہری اور کڑی نظر کا ثبوت یہ ہے کہ اس سال کے بارہ شماروں میں سے آٹھ شماروں کی باتیں ''عصرِ حاضر'' سے شروع ہوتی ہیں۔

- **انجم چودھری**

شام و سحر میں کہنہ مشق ادبا اور شعرا کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ نو آموز لکھاریوں کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ شام و سحر کی وساطت سے نہ صرف نو آموز

لکھاریوں کی ادبی تشنگی دور ہوتی ہے بلکہ اُن کے اسلوب میں بھی چاشنی پیدا ہوتی ہے۔

- **پروفیسر شبیر قادری**

عمر فیضی نمبر شائع کر کے آپ نے ایک اور کارنامہ انجام دیا ہے۔ اُن کے کوائف پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے کتنی بھرپور زندگی گزاری۔ آپ نے اُن کے وضع دار، سادہ لوح، پرخلوص اور نیک نفس ہونے کی گواہی دی ہے۔ میں عمر فیضی کو ایک مدت سے پڑھتا چلا آ رہا ہوں مگر سچی بات یہی ہے کہ اُن کی متنوع اور رنگارنگ شخصیت سے اتنا بھرپور تعارف پہلی مرتبہ ہوا ہے۔

- **پروفیسر فیض رسول فیضان**

یہ رسمی ستائش نہیں بلکہ منہ بولتی حقیقت ہے کہ آپ لوگ خلوص اور تن دہی کے ساتھ اُردو زبان وادبیات کی بے لوث خدمات کر رہے ہیں، جس کا اظہار 'شام و سحر' کے عام شماروں سے بالعموم اور خاص نمبروں سے بالخصوص بطریق احسن ہوتا رہتا ہے۔ تازہ شمارے کے انتخابی مشمولات اور مندرجات کی اکثریت معیار کی 'کڑی اور بے لحاظ' چھلنی سے چھنے ہوئے مواد پر مبنی محسوس ہوتی ہے تاہم کیا ہی اچھا ہوتا کہ بعض مخصوص ناموں کو دہرانے اور 'تہرانے' کی بجائے چند دوسرے لوگوں کو بھی اس وسیع و معتبر اور مؤثر و موقر انتخاب نامے میں شامل کر لیا جاتا ہے تاکہ اسی بہانے زیادہ سے زیادہ اربابِ قلم کی نمائندگی ہو جاتی۔

- **پروفیسر حماد میر**

بلاشبہ 'شام و سحر' نہ صرف قابل اساتذہ کرام کی خوبصورت اور علمی تحریروں کا مرقع ہے بلکہ یہ مادرِ گیتی کے ادب سے تعلق رکھنے والے اُن طلبہ و طالبات کی کاوشوں

کا بھی ترجمان ہے جو سنجیدگی سے اچھا لکھنے کی کوشش کرتے ہیں خصوصاً موجودہ حالات میں جہاں معیاری تو درکنار کسی ادبی کام کو منظرِ عام پر لے آنا ہی کسی معرکے سے کم نہیں۔ 'شام و سحر' کے مدیران بھرپور مبارکباد کے مستحق ہیں، جو نہ صرف ادبی پرچہ نکال رہے ہیں بلکہ معیار کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس بات کا زندہ ثبوت ایک تو پرچے کی بلند پایہ اور مایہ ناز ادبی شخصیت جناب محترم شبیہ الحسن صاحب کی زیرِ ادارت جاری و ساری ہونا ہے اور دوسرا اس پرچے کے لکھاریوں میں عظیم محقق، اساتذہ، مفکر، صحافی اور شعرا کی باقاعدہ شمولیت ہے۔

- **صدف چنگیزی**

اس دورِ بے اماں میں آپ اتنی محبت سے ہم جیسے ہیچمداں سے اتنی محبت سے رشتہ قائم رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں کہ جواب میں سوائے شرمندگی کے ہمارے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ یقیناً اسی کا نام تہذیبِ محبت ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب کہا ہے:

کوئی بھی آئے میں دل میں اُتار لیتا ہوں
مرے شعور کے رشتے ہیں خندقوں کی طرح

- **مراد جعفری**

کتاب 'باقیاتِ آلِ رضا' موصول ہوئی۔ ہم آپ کے جذبۂ محبت اور خلوص کے شکرگزار ہیں۔ کتاب کو بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے۔ یہ بات حرف بہ حرف حقیقت ہے کہ آلِ رضا اُن خوش نصیب شعراء میں ہیں، جنہیں آپ جیسا نقاد اور محسن ملا ہے۔ یقیناً یہ ایک صبر آزما کام ہے لیکن آپ نے بقولِ شاعر ؎

خیال و فکر کی سچائیاں بھی شامل ہیں
مرے لہو میں میرے شجرۂ نسب کی طرح

خراجِ تحسین

(ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی شخصیت اور فن کے حوالے سے شعراء کا منظوم خراجِ تحسین)

ریحان اعظمی

(نظم)

اے ہاشمی گھرانے کے فرزندِ ارجمند
اہلِ ادب کو فکر تری کیوں نہ ہو پسند

بے مثل دسترس ہے تری لفظیات پر
حاصل نہ کیوں عبور ہو تجھ کو لغات پر

تحقیق کے حوالے سے معروف تیرا نام
زندہ رہے گا ملکِ سخن میں یہ تیرا کام

منشور تیرا علم و ادب کا فروغ ہے
اس عہد میں تو قاطعِ فکرِ دروغ ہے

حق بین و حق شناس ہے بیشک ترا قلم
ترسیلِ علم کا ترے ہاتھوں میں ہے علم

امن و اماں میں فکرِ شبیہ حسن ہے تو
جس پر خزاں نہ آئے کبھی وہ چمن ہے تو

فردِ عمل میں جتنی تصانیف ہیں تری
سایہ فگن ہے تجھ پہ یہ محنت وحید کی

آلِ رضا کے مخفی جو تھے رمزِ شاعری
تیرے قلم نے آج انہیں بخشی زندگی

سجّاد و سیفؔ قیصرؔ و شاہدؔ سے نامور
ممنوں تیری فکر کے یہ صاحبِ ہنر

وہ بیسویں صدی کے سخندانِ لکھنو
تحقیق تو نے کی تو ہوئے آج سرخرو

ہاں اس عمل میں تیرے قلم کا کمال ہے
پیوستہ تیری فکر سے ماضی و حال ہے

قاصر قلم ہے کیا لکھوں میں ان صفات پر
قطرہ رہے خموش سمندر کی بات پر

◆◆

پروفیسر جعفر بلوچ

(نظم)

جناب مکرم شبیہ الحسن
طلسم آفرین بساطِ سخن

دیا آپ نے چھاپ نمبر مرا
مرا ذکر شام و سحر میں کیا

مرا فکر و فن کیا ہے اور کیا ہوں میں
ثنا خواں بس اہلِ ادب کا ہوں میں

جو توقیر اس کمتریں کی. بڑھی
بڑائی ہے یہ اصل میں آپ کی

جناب وحیدالحسن ہاشمی
مرے پیش رو بھی ہیں مخدوم بھی

مرے شیخ میں شیخ صفدر علی
ادب میں بھی ان کو سمجھیے ولی

غرض ہیں مرے دیدہ قلب و جاں
جو میرے محسن ہیں عیاں اور نہاں

مناسب نہیں اور طولِ کلام
میں کہتا ہوں پھر شکریہ، والسلام

دعا گوئے دیرینہ جعفر بلوچ
سدا خیر خواہانہ ہے جس کی سوچ

◆◆

ڈاکٹر منظور حسین اسد

(نظم)

آج ہیں زینتِ بزمِ اہلِ سخن
نکتہ داں، نکتہ بیں، صاحبِ فکروفن

جن کی تنقید و تحقیق پہ ہے نظر
وہ ہمیشہ اسی کام میں ہیں مگن

پتھروں کو تراشیں تو ہیرے بنیں
اور عبارت کو دیں لفظ کا پیرہن

ان کے والد گرامی ہیں مرثیہ گو
سجدہ گاہِ جبیں ہے درِ پنجتن

بارگاہِ حسینؑ کے ذاکر ہیں وہ
سر پہ غازیؑ کا پرچم ہے سایہ فگن

معرفت کی بلندی پہ فائز ہیں وہ
اُن کی معراج ہے ذکرِ خیبر شکن

نعت گوئی میں بھی اُن کا ثانی نہیں　　بزمِ تخئیل پھولوں کی ہے انجمن
جن کے بازو ترازو ادب کے لئے
اِک شبیہ الحسن، اِک وحیدالحسن

◆◆

سیّد ناصر زیدی

(نظم)

جناب شبیہ الحسن، شکریہ　　طرفدار شعروسخن، شکریہ
تعارف مرا آپ نے چھاپ کر　　نبھائی ہے مجھ سے لگن، شکریہ
اس اعزاز کے گرچہ قابل نہ تھا　　کری پھر بھی تائیدِ فن، شکریہ
محبت کی تحریر پڑھ کر لگا　　ہوئے دُور رنج و محن، شکریہ
مرے مہرباں شیخ صفدر علی　　جریدے کا ہیں بانکپن، شکریہ
اسیر روایات ہیں، لاجرم　　نہ چھوڑیں گے رسمِ کہن، شکریہ
بڑے باپ کے وارث باادب　　شبیہ وحیدالحسن، شکریہ
عیادت محب گرامی سے ہو　　تو کہنا وحیدِ سخن، شکریہ
ہے ناصؔر بھی مدح سرا آپ کا
امامِ امامانِ فن، شکریہ

◆◆

مظفر نقوی

(نظم)

ممنون ہوں احسان کی اس نے بھی نظر کی　　کچھ روشنی مجھ پر بھی پڑی شام و سحر کی
ہے اس کی سخندانی کے انداز نرالے　　ہر موڑ پہ ہے دھوم بڑی اس کے ہنر کی
بچّم کہہ کے اٹھا دیتا ہے مُردوں کو جہاں میں　　شاہد ہیں کتابیں یہاں کچھ اس کے ہنر کی

شاعر بھی ہے نقاد و محقق بھی بڑا ہے — شہرت ہے یہاں چاروں طرف اس کی نظر کی
سینتا ہے فقط چاکِ گریبانِ ادب کو — رہتی ہے تلاش اس کو شریفانِ نظر کی
صحرا کی طرح رکھتا ہے دل اپنا کشادہ — امداد کرے آپ خدا، ایسے بشر کی
امید تو ہے میرے لیے بھی وہ لکھے گا — احسان کی جب میری طرف اس نے نظر کی

ہے قلبِ مظفر میں شبیہ اُس کی وفا کی
ہیں مجھ پہ عنایات بڑی ایسے بشر کی

◆◆

صادق جمیل

(نظم)

جس بزم میں بھی ہو گی کہیں اہلِ فن کی بات — ہو گی وہاں ضرور، شمس الحسن کی بات
وہ نظم ہو کہ نثر، ہے دونوں پہ دسترس — اور معتبر انہی سے ہے نقدِ سُخن کی بات
پیشِ نظر ہے آپ کے ملت کا اتحاد — گُل کی نہیں، یہ کرتے ہیں سارے چمن کی بات
کہنے کو ایک فرد، مگر قافلہ صفت — تنہا انہی کی بات ہے اک انجمن کی بات
مصروف ہیں ادب کی یہ خدمت میں رات دن — ہم نے سُنی ہی ان سے نہیں ہے تھکن کی بات
حُبِّ وطن چھلکتی ہے، ایک ایک بات سے — کرتے ہیں اتنے پیار سے پیارے وطن کی بات

کرتے نہیں یہ ذکر کسی اور کا جمیل
جب بھی سُنی ہے ان سے سُنی پنجتن کی بات

◆◆

طاہر ناصر علی

(نظم)

یہ سب کے دل کی دُعا کیسے بے اثر ٹھہرے — تُو جو بھی حرف لکھے بس وہ معتبر ٹھہرے
دیارِ علم و ادب سے ترا تعلق ہے — جنہوں نے سیکھا ہے تجھ سے وہ باہنر ٹھہرے

تُو سب کے واسطے رکھتا ہے پیار کی دولت
جو تجھ کو سمجھے نہیں خود سے بے خبر ٹھہرے

وحیدِ عصر کا سایہ رہے ترے سر پر
بہارِ علم ترے گھر میں عمر بھر ٹھہرے

ہے تیرا نام **شبیہ الحسن** اسی باعث
ترے جمال پہ ممکن نہیں نظر ٹھہرے

یہ سارا فیض ہے تیری ادب سرائے کا
کہ سنگریزے یہاں آتے ہی گہر ٹھہرے

ہمارے دل پہ کھلے تیری شخصیت کے رموز
رہِ سخن میں جو ہم تیرے ہمسفر ٹھہرے

رواں دواں ہے ترا کاروانِ علم و ادب
نہیں خبر کہ کہاں جا کے رہ گزر ٹھہرے

ملی ہے اُن کو ضیا آفتابِ تاباں سے
اسی لئے کوئی اختر کوئی قمر ٹھہرے

ہر ایک دور نے دیکھا یہ معجزہ طاہر
علی کے ماننے والے ہی دیدہ ور ٹھہرے

◆◆

تحسین یزدانی

(قطعہ)

(۱)

اے وقارِ سخن، افتخارِ سخن
کوہسارِ ادب، آبشارِ سخن

تو ہے جانِ سخن، تو قرارِ سخن
اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(۲)

تو محقق ہے، شاعر ہے، نقاد ہے
تجھ سے شہرِ سخن، دائم آباد ہے

تو کہ ہے گوہرِ آبدارِ سخن
اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(٣)

نور ہے، روشنی ہے، اُجالا ہے تو   معتبر اک ادب کا حوالہ ہے تو
ہے تری ذات پر انحصارِ سخن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(۴)

انتقاد و تحقیق ہے مسلک تیرا   تیرا انداز و اسلوب سب سے جدا
تو زمانے میں ہے نخلِ سایہ فگن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(۵)

علم کی کان ہے، مخزنِ حرف تو   عالی ہمت بھی ہے، بے بہا ظرف تو
تو شہنشاہِ فن، تاجدارِ سخن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(٦)

سرزمینِ سخن، تجھ سے رنگین ہے   گلستانِ ادب کی تو تزئین ہے
تو ہے بادِ سحر، تو بہارِ سخن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(۷)

فکر کے قافلے کا تو سالار ہے   فن سے مخلص بھی ہے تو وفادار ہے
تو محبِ ادب، رازدارِ سخن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

(۸)

تو ہے عالی نسب، تو ہے عالی گہر   تو وحیدالحسن کا ہے لختِ جگر
باپ کی طرح تو بھی ہے یارِ سخن   اے شبیہ الحسن، اے شبیہ الحسن

◆◆

رضا عباس رضاؔ

(نظم)

ش شہرِ ہنر میں اک نیا لہجہ ہے، فن کے ساتھ
ب برجِ شرف پہ لکھو، شبیہ الحسن کے ساتھ

ی یہ بات اس کی نسلی شرافت بتائے گی
ہ ہے عشق کس قدر اسے اپنے وطن کے ساتھ

ا اُردو ادب سے اس کا نہیں ہے فقط لگاؤ
ل لپٹا ہے اِس کا رزق بھی شعروسخن کے ساتھ

ح حاصل ہے دسترس اِسے دینی علوم پر
س سیکھا ہے اس نے دنیوی فن بھی لگن کے ساتھ

ن نخلِ وفا کی شاخِ ثمرور ہے اِس کی ذات
ہ ہے اِس کے ساتھ سارا چمن، یہ چمن کے ساتھ

ا اخلاص و صدق اسکی زبان پر ہیں موجزن
ش شیریں سخن ہے خوشبوئے سروسمن کے ساتھ

م میری یہی دُعا ہے کہ صدقہ رسولؐ کا
ی یارب، رہے عروج شبیہ الحسن کے ساتھ

◆◆

اختر ہاشمی

(نظم)

اسلاف کے جذبوں کا شناسا بھی بہت ہے — اُردو کی وہ تہذیب پہ مرتا بھی بہت ہے
جملوں کی فصاحت پہ وہ رکھتا ہے نگاہیں — موزونیِ تحریر پہ شیدا بھی بہت ہے
وہ چاہتا ہے علم کا مرکز ہو ہر اک گھر — اُس کو روشِ جہل کا صدمہ بھی بہت ہے
اُس کی یہی خواہش ہے کہ یکجا ہوں مسلماں — تفریق کی باتوں سے وہ جلتا بھی بہت ہے
ہے نام شبیہ اُس کا، ہے اُس باپ کا بیٹا — پیری ہے مگر کام کا جذبہ بھی بہت ہے
اصحابِ مودّت کی بھی امداد ہے حاصل — تائیدِ الٰہی کا سہارا بھی بہت ہے
تبلیغِ سخن اُس کے ارادوں کی ہے معراج — اُردو کے مفادات کا پیاسا بھی بہت ہے

اختر جو لکھیں اُس نے کتابیں وہ بہت ہیں
اور اُس کا چمکتا ہوا چہرہ بھی بہت ہے

◆◆

پروفیسر ظفر چشتی

(نظم)

شبیہ خوش ادا جیسے سیانے کم ہی دیکھے ہیں — جہانِ علم میں ایسے دوانے کم ہی دیکھے ہیں
جہاں ہر آدمی ہے آسمانِ علم کا تارا — ہماری آنکھ نے ایسے گھرانے کم ہی دیکھے ہیں
ہمیں رہتا ہے اکثر گردشِ حالات کا شکوہ — پر اس کے ہونٹ پر ایسے بہانے کم ہی دیکھے ہیں
مگر حاصل تجربہ ہے اسے اتنے زمانوں کا — اگرچہ کہنے کو اس نے زمانے کم ہی دیکھے ہیں

یہ آرائش اسی کی کاوشوں کا ہے ثمر ورنہ
ظفرؔ شام و سحر اتنے سہانے کم ہی دیکھے ہیں

◆◆

واجدامیر

(نظم)

وحیدِ عصر کی کامل شبیہ جس کی ہے
متاعِ فقد و نظر، دولتِ زبان و بیاں

کہاں ہمیشہ کسی کو نصیب ہوتی ہے
زمامِ شعر و سخن پر گرفت ہے جس کی

وہ جانشینِ انیس و دبیر کا پرتو
کتابیں جس کا سدا اوڑھنا بچھونا ہیں

قلم سے ربط، تعلق ہے روشنائی سے
چراغِ علم جلاتا ہے جو اندھیروں میں

محبت اس کی ہے طاقت، وفا ہے اس کا اصول
غلامِ فاتحِ خیبر، فدائے آلِ رسولؐ

کمال رنگِ مشیت نے اس کو بخشا ہے
برنگِ کوثر و تسنیم ہے لب و لہجہ

جو گفتگو کا قرینہ ہے، بس اسی کا ہے

◆◆

مراد علی شاد

(نظم)

ہو مرثیہ جدید کہ ہو نظم کی زمیں
لکھتا ہے منقبت میں بھی لفظ یہ حسیں

اشعار اس کے ہوتے ہیں نایاب و بہتریں
شاعر ہے بے مثال، تو جدت کا ہے امیں

راہِ ادب میں فکر کا معمار ہے شبیہ

ذہنِ رسا سے، علم کے موتی اُچھال کر
سوچوں کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر

کہتا ہے شعر تازہ زمینیں نکال کر
لفظوں سے کھیلتا ہے، بہت دیکھ بھال کر

اک نخلِ سایہ دار کی مہکار ہے شبیہ

بخشی غمِ حسینؑ نے، یہ اس کو روشنی
اس کو ملی ہے باپ سے ورثے میں شاعری

تقسیم یونہی کرتا رہے، علم و آگہی
دنیا میں اک مثال بنے، اس کی زندگی

ہر دردمند شخص کا غمخوار ہے شبیہ

◆◆

حشمت علی قنبر

(نظم)

یوں ڈاکٹر شبیہ ہیں اہلِ سخن کے ساتھ
جیسے ہو خوشبوؤں کا جزیرہ چمن کے ساتھ

مرکز ہے ان کی سوچ کا مولائے کائناتؑ
گہرا شغف وہ رکھتے ہیں خیبر شکن کے ساتھ

دل میں بسا کے نہجِ بلاغہ کا ہر سبق
رکھتے ہیں علمیت کا ہُنر جان وتن کے ساتھ

حامی یزیدِ عصر کے حامی نہ بن سکے
ہر حال میں رہے ہیں حسینؑ و حسنؑ کے ساتھ

اُن کی ہر اک کتاب سے روشن ہوئی یہ بات
فن کی تو زندگی ہے فقط اہلِ فن کے ساتھ

ردِ تعصبات ہے اُن کے قلم کی ضو
فنکار زندہ رہتا ہے اپنے وطن کے ساتھ

نقاشؔ ہوں، شریف ہوں، عرفیؔ ہوں یا شبیہ
ان سب کی آبرو ہے وحید الحسن کے ساتھ

کتنے زخوں سے میرے بھی نکھرے ہیں خدوخال
محوِ سفر ہوں میں بھی شبیہ الحسن کے ساتھ

شرمندہ ہو گا تیشۂ فرہاد ایک دن
قنبرؔ رہیں گے آپ جو اس کوہ کن کے ساتھ

◆◆

نذیر اذفر

(نظم)

وفادار و مخلص شبیہ الحسن
سدا ان پہ ہو سایۂ پنجتنؑ

وہ خوش بخت و شاداں ہیں خوش کام ہیں
بہت ان پہ اللہ کے انعام ہیں

انہیں مل کے ملتی ہے دل کو جلا
رہیں شاد ہر دم ہے میری دعا

زمانے میں پھیلائیں علم و ہنر
کٹیں شادمانی میں شام و سحر

دعائیں یہ کرتا ہے دل سے شفیقؔ
رہیں علم والے ہی ان کے رفیق

کروں ان کی تعریف کیا دوستو
نہیں ان میں بغض و ریا دوستو

دعا ہے رہیں وہ سدا کامران
مددگار ہو خالقِ دوجہان

◆◆

سلطان محمود

(نظم)

حرف بے صوت
لفظ بے زبان تھے
ماحول میں بے یقینی کی دیوی سر جھکائے بیٹھی تھی
بے سخنی ہاتھوں میں کشکول لیے
سخن کی بھیک مانگ رہی تھی
کہ ایسے میں
مسیحائی کا لبادہ اوڑھے
اُفقِ شام سے کرن نمودار ہوئی
مکالمہ کی فضا، دل کی دھڑکن کی تال پر
رقص کناں تھی
کہ آج پیرائے حدود میں ہمیں دولتِ نطق مل گئی
آج ہم معتبر ہو گئیں
کہ **شبیہ الحسن** نے ہمارے ہاتھ تھام لیے ہیں

◆◆

سید عرفی ہاشمی

(نظم)

(۱)

تجھے دریافت کرتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے
تجھے معلوم ہے کیا درد کی تجسیم ہوتی ہے
کہاں خونِ جگر سے ذات کی تفہیم ہوتی ہے
کہاں پہ کائناتِ فکر و فن تقسیم ہوتی ہے
کہاں سے علم ملتا ہے، کہاں تعلیم ہوتی ہے

(۲)

تجھے دریافت کرتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے
ترے افکار کا اقدار سے رشتہ نہیں ٹوٹا
حقیقت کا لبِ اظہار سے رشتہ نہیں ٹوٹا
قلم کا حرمتِ افکار سے رشتہ نہیں ٹوٹا
ترے فن کا کبھی معیار سے رشتہ نہیں ٹوٹا

(۳)

تجھے دریافت کرتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے
تری تنقید سے روحِ دیانت پیار کرتی ہے
تری تحقیق سے چشمِ کرامت پیدا کرتی ہے
جہاں تو شعر لکھتا ہے ذہانت پیار کرتی ہے
تو وہ فنکار ہے جس سے شرافت پیار کرتی ہے

(۴)

تجھے دریافت کرتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے
قلم تیرا توازن کی زمیں ہموار کرتا ہے
ادب تیرا تعصب کی نظر پہ وار کرتا ہے
سخن تیرا ضمیرِ وقت کو بیدار کرتا ہے
تو سورج ہے اُجالوں کی روش سے پیار کرتا ہے

(۵)

تجھے دریافت کرتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے
تو نامعلوم سے معلوم تک رستہ بناتا ہے
تو دستِ فکر سے احساس کا چہرہ بناتا ہے
تجھے جو غیر لکھتے ہیں، انہیں اپنا بناتا ہے
تو قطرے میں اُترتا ہے اسے دریا بناتا ہے

(۶)

سواب یہ سوچ رکھتے ہیں
کہ ہم بھی ایک قطرے سے زیادہ
کچھ نہ ہو کر
مستقل بے سمت بہتے ہیں
شعورِ نیستی کا درد سہتے ہیں
تجھے دریافت کرنے میں
سدا مشغول رہتے ہیں

◆◆

باب دوم

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کا تحقیقی و تنقیدی سفر

موجودہ دور میں سنجیدہ فکر ناقدین اور محققین کی کمی بے حد محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے کلاسیکی ناقدین اور محققین نے تو اپنی پوری زندگی تحقیق و تنقید کی آبیاری میں صرف کر دی اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ ایک کل وقتی کام ہے۔ آج کل نئے تخلیق کار شاعری اور صحافت کے میدان میں تو طبع آزمائی کر رہے ہیں کہ اس کے ذریعہ شہرت و سفارت حاصل ہو جاتی ہے مگر تحقیق و تنقید کا میدان سائیں سائیں کر رہا ہے۔ اس پسِ منظر میں جب ہم ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تحقیقی اور تنقیدی کاموں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو صرف اور صرف تحقیق و تنقید کی سربلندی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن ایک علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا پورا خاندان شعر و ادب کی ترویج میں مصروف ہے۔ اس امر کا کھوج لگانا بے حد مشکل ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا تخلیقی و تنقیدی سفر کب شروع ہوا؟ تاہم راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی مطبوعہ تخلیقات و مرتبات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے تخلیقی سفر کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے شعوری کوشش کی ہے کہ ان

کتابوں پر چھپنے والے تبصروں اور مضامین کا تذکرہ نہ کیا جائے ا رصرف کتابوں کے فلیپوں پر درج آراء کو پیش کیا جائے تاکہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں محققین، ناقدین اور دانشوروں کی آراء بھی ہمارے سامنے آجائیں۔ اس مضمون میں راقم الحروف نے مطبوعہ کتب کے سنین اشاعت کے مطابق اپنی گزارشات وضع کی ہیں۔ اب یہ فیصلہ قارئین خود کریں گے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کون سی کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم ہے؟ اور کیوں؟؟ راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ اس مضمون میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تخلیقی ارتقا کو منضبط طریقے سے پیش کیا جائے۔ اس میں راقم الحروف کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ بھی قارئین کریں گے۔

ذیل میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی سفر کے ارتقا کے بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں:

(۱)

بُجھی وہ شمع......

(شاعر آلِ محمدؐ حضرت نسیم امروہوی کی یاد میں)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی کتاب ''بجھی وہ شمع......شاعرِ آلِ محمدؐ حضرت نسیم امروہوی کی یاد میں'' اربابِ نقد ونظر میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔ ۸۶ صفحات کی اس کتاب کو جون ۱۹۸۷ء میں اظہار سنز نے شائع کیا۔ اس کتاب کو معروف شاعر قیصر بارہوی کے نام معنون کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ، پس و پیش کے عنوان سے خود ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن نے رقم

کیا ہے۔اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب نسیم سحر کے نام سے ہے۔اس باب میں نسیم امروہوی کی حیات اور فن کے بارے میں روشنی ڈالی گئی اور نسیم امروہوی کی ابتدائی زندگی اس کا ارتقا اور اُن کے فن کو حوالوں کے ذریعے اُجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔دوسرا باب احساسات کے نام سے ہے۔اس میں نسیم امروہوی کی وفات پر نامور ادبا کی رائے دی گئی ہے۔جن معروف ادیبوں اور دانشوروں کی آرا پیش کی گئی ہیں ان میں احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر آغا سہیل، حضرت قیصر بارہوی، پروفیسر جیلانی کامران، پروفیسر سجاد حارث، ڈاکٹر سہیل احمد خان، پروفیسر حسن عسکری کاظمی، ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن، ڈاکٹر عبید اللہ خان، پروفیسر سجاد رضوی، ڈاکٹر حسن رضوی، پروفیسر عارف عبدالمتین، حفیظ تائب، انتظار حسین، سیّد سبط الحسن ضیغم، وارث سرہندی، ڈاکٹر اسلم رانا، سیّد وحید الحسن ہاشمی، یونس جاوید، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر سعید مرتضیٰ زیدی، قائم نقوی، محمد علی اعظم رضوی، سیّد اظہار الحسن رضوی، شیخ صفدر علی، جمیل احمد رضوی، ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری اور ڈاکٹر ناہید شاہد شامل ہیں۔ان آراء کی روشنی میں نسیم امروہوی کی شخصیت اور فن کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تیسرا باب منظوم خراج تحسین ہے جس میں اُن کی ذات اور فن کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے۔جن معروف شعرا نے نسیم امروہوی کو خراج تحسین پیش کیا ہے ان میں ظفر جونپوری، قیصر بارہوی، شائق زیدی، حسن عسکری کاظمی، سیّد وحید الحسن ہاشمی اور ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن شامل ہیں۔ چوتھا باب مکاتیب کے نام سے ہے۔اس کے آغاز میں خطوط کے بارے میں بتایا گیا ہے اور آخر میں نسیم امروہوی کے خطوط پیش کیے گئے ہیں جو ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہیں۔ پانچواں باب اوراق گل کے نام سے ہے اس میں نسیم امروہوی کا نمائندہ اور

پر تاثیر کلام پیش کیا گیا ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب سچے شاعر کی سچی پذیرائی اور ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے بڑی جانکاہی سے اسے مرتب کیا ہے اور قیصر شناسی کے حوالے سے اسے اولیت بھی حاصل ہے۔

(۲)

آیاتِ آمنہؑ

(حضرت محمد مصطفےٰؐ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہؑ کا مرثیہ)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب ''آیاتِ آمنہ'' والدۂ رسالت مآب حضرت آمنہ کی سیرت و کردار کے حوالے سے قیصر بارہوی کے معروف مرثیہ پر مشتمل ہے جسے سفینہ پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔ ۷۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سید وحید الحسن ہاشمی کے نام معنون کی گئی ہے۔

''آیاتِ آمنہ'' بنیادی طور پر تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اُردو مرثیہ کی اہمیت اور جدید اردو مرثیے میں قیصر بارہوی کے مرثیوں کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے حصے میں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور کارناموں پر لکھے گئے قیصر بارہوی کے مرثیے کا متن پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں خصوصی مطالعہ کے عنوان سے درج ذیل ناقدین کے مضامین شامل ہیں:

۱) ڈاکٹر عبید اللہ خاں (قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرت آمنہؑ)

۲) ڈاکٹر طارق عزیز (قیصر بارہوی اور جدید طرز احساس)

۳) پروفیسر محمد فخر الحق نوری (قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ)

درج بالا مضامین میں تمام ناقدین نے قیصر بارہوی کے اس مرثیے کو جدید رویوں کا علمبردار قرار دیا ہے اور اس مرثیے کی تدوین پر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو مبارکباد پیش کی ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ اس کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر میمونہ انصاری، پروفیسر سجاد رضوی اور پروفیسر سجاد حارث کی آرا جگمگا رہی ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

”——

دینی نظموں میں عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شعری حُسن، احساس اور جذبے کی ترجمانی پر زور دینے کی بجائے شعراء محض عقیدت کا سہارا لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ شاعر کا داخلی رشتہ اپنے موضوع سے کٹ جاتا ہے۔ قیصر بارہوی نے عقیدت اور احساس کو مربوط کیا ہے اور حضرت آمنہؑ کے بارے میں یہ نظم لکھ کر ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ انہوں نے مرثیے کی بندوں والی تکنیک کو اختیار کیا ہے اور اُسی لے اور رچاؤ کو برتا ہے، جس سے یہ نظم ایک ایسا تخلیقی عمل بن گئی ہے کہ قیصر بارہوی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

——“

◆ ڈاکٹر میمونہ انصاری

”——

نورِ مصطفیٰؐ کو عالمِ بالا سے دنیائے آب وگل میں ظہور کے لئے جس ایوانِ تجلی کو منتخب کیا گیا، اس کا نامِ نامی آغوشِ آمنہؑ تھا۔ اللہ

اللہ اس کی عظمت، اس کی حرمت، اس کی سطوت، اس کے تقدس، اس کے تفاخر کے مدارج کیا ہوں گے جس پر رحمۃ للعالمین جلوہ فگن ہوئے ہوں گے۔ افلاک کی بلندیوں نے جھک جھک کر اس آستانۂ نور پر جبینِ نیاز خم کی ہوگی۔ قدسیوں نے اپنے پروں سے اس پر سایہ کیا ہوگا۔ صدف آمنہؑ میں دُرِ یتیم نے پرورش حاصل کی۔ یہ آمنہؑ آدمِ خاکی کی معراج، عفیفۂ دوراں، صاحبِ خلق، مسند نشینِ جاہ جلالت درحشم، فخرِ عرب، مخدومۂ جہاں، اللہ اللہ یہ دامنِ حیاء، سجدہ گہہ قدسیاں تھا۔ سرورِ دو عالمؐ نے جس اُنگلی کو پکڑ کر صراطِ مستقیم پر پہلا قدم رکھا، پوری کرۂ ارض کی حرکت اس انگلی کے اشارے کی منتظر تھی۔ یہ رشکِ حاجرۃ، فخرِ مریمؑ و آسیہ جنابِ قیصر بارھوی کے اس مرثیے کا قابلِ توجہ عنوان ہے۔ ''نیا عنوان۔ نیا خیال۔''

''____

◆ پروفیسر سجاد رضوی

''____

جدید اُردو مرثیے میں حضرت قیصرؔ بارھوی کا نام ایک منفرد انداز اور مخصوص آواز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات دوسرے مرثیہ گو حضرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ جدید مرثیے میں ایک خصوصیت اُسے دیگر مراثی سے بالکل ممتاز کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں ایک مخصوص موضوع سامنے رکھ کر مرثیے کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں۔ جناب قیصرؔ بارھوی کا زیرِ نظر مرثیہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ گرامی کے بارے میں (جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے) آج

تک کسی نے مستقل طور پر کوئی مرثیہ نہیں لکھا، البتہ بعض نظمیں ضرور موجود ہیں، جن میں جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ہے۔ موجودہ مرثیے میں موضوع ہی ان کی ذاتِ گرامی ہے اور اس لحاظ سے اُردو کے رثائی ادب میں ایک مثبت اور گرانقدر اضافہ ہے۔

"___

◆ پروفیسر سجاد حارث

"___

مرثیہ گوئی، بالخصوص جدید مرثیہ گوئی کی صنف دیگر اصناف سخن سے اس لئے امتیازی حیثیت کی حامل نظر آتی ہے کہ اس میں ملتِ اسلامیہ کا اجتماعی لاشعور عصری شعور سے فعال سطحوں پر ہم آہنگ اور ہم مرکز ہو جاتا ہے۔ جدید مرثیے کی ہمہ گیری اور وسعتِ خیال ہی جوش ملیح آبادی کے فکر و فن کا مابہ الامتیاز پہلو تھا، جس نے اُردو میں مرثیہ نگاری کی ایک نئی اور توانا روایت کو جنم دیا اور مرثیہ نگاری کو روحِ عصر میں جذب کر کے زندگی اور عصری حقیقتوں سے قریب تر کر دیا تھا۔ حضرت آمنہؑ پر قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ قدیم و جدید اسلوبِ فکر کی ایک دلکش اور مؤثر مثال ہے۔ تاریخی اور علمی لحاظ سے اس مرثیے میں چند ایسی باتوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے، جن کو ہم بہ آسانی جدتِ خیال اور انشراحِ حقیقت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بعض مقامات پر جوش کی پیروی کرتے ہوئے عالمِ اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا وہ نہایت دردمندی سے ذکر کرتے ہیں۔ صیہونی اور مغرب کی استعماری قوتوں نے عالمی سطح پر جس طرح مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا ہے، عصرِ حاضر کی تاریخ کے یہ نہایت دردناک اور خونچکاں

باب ہیں۔ روایت اور تاریخ کے حرکی زاویہ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنا دشوار نہ ہوگی کہ دنیا میں آج بھی معرکہ کربلا جاری ہے۔ خیر و شر کی قوتوں کے مابین گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔ ظالموں، غاصبوں اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد ہو رہی ہے۔ قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ، اُردو کے دیگر مراثی کی طرح، حق و انصاف اور روحانی اقدار میں انسانی یقین کو مستحکم اور معتبر بناتا ہے۔

"____

(۳)

بیسویں صدی کا شعری ادب

(نمائندہ شعراء کا کلام)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب "بیسویں صدی کا شعری ادب۔ نمائندہ شعرا کا کلام" اربابِ نقد و نظر سے داد وصول کر چکی ہے۔ یہ کتاب ۸۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۸ء میں یہ کتاب اظہار سنز نے شائع کی۔ اس کتاب کو ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آغاز میں "باتیں" کے نام سے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کا مقدمہ پروفیسر سجاد حارث نے لکھا ہے۔ اس مقدمے میں پروفیسر سجاد حارث نے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت پر اپنے گراں قدر خیالات قلم بند کیے ہیں۔ مقدمے کے بعد ۸ نمائندہ شعرا کا کلام دیا گیا ہے جس میں حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، ناصر کاظمی، ن۔ م۔ راشد، مجید امجد، مولانا ظفر علی خاں،

حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی شامل ہیں۔

حسرت موہانی کی پانچ نمائندہ غزلیات شامل ہیں جن کو پڑھ کر حسرت کا شعری اسلوب سمجھ میں آتا ہے۔ اصغر گونڈوی کی بھی پانچ غزلیات شامل ہیں جن کو پڑھ کر قاری اصغر شناسی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ ناصر کاظمی کی پانچ غزلیات میں ناصر کے ہاں اُداسی کے تمام پہلو کھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ن۔ م۔ راشد اور مجید امجد کی پانچ پانچ نظمیں شامل ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی کی وہ نظمیں اور گیت شامل ہیں جو ان شعرا کے شعری رنگ و آہنگ کو سامنے لاتے ہیں۔ اس طرح ان معتبر شعرا کی یہ شعری تخلیقات ہمارے لیے مفید ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر آغا سہیل اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی آراء ہمارے موقف کی تائید کریں گی۔

◆ ڈاکٹر عبادت بریلوی

"——

اُردو شاعری نے بیسویں صدی میں ترقی کی بے شمار منزلیں طے کی ہیں۔ بڑے بڑے شاعر اس عہد میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان شعراء سے آشنا ہونے کے لیے ان کے کلام کے انتخاب کی طباعت و اشاعت ضروری ہے تاکہ پڑھنے والے بیسویں صدی کے شعری رجحانات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ پروفیسر شبیہ الحسن کے اس انتخاب کو اس کام کی طرف پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔

——"

◆ ڈاکٹر آغا سہیل

"——

شعراء کے کلام سے انتخاب جان جوکھوں کا کام ہے۔ بڑی

چھان پھٹک کرنا پڑتی ہے۔ حق یہ ہے کہ انتخاب کا کام عطر کشید کرنے کے مترادف ہے جس میں ذوقِ سلیم کی رہبری، مذاقِ سخن کی استواری، شئے لطیف اور وجدان کی سلامت روی کے ساتھ ساتھ شعری تربیت سے ہم آہنگی ضروری ہے۔ سید شبیہ الحسن میں مذکورہ اوصاف حمیدہ بدرجہ احسن موجود ہیں۔ موصوف نے شعر و ادب کی روایت میں وقیع مقام کے حامل ان شعراء کو بخوبی سمجھا ہے اور قارئین تک اپنی بات اور اپنے نقطۂ نظر کو پہنچانے کی سعی بھی کی ہے۔ ایم۔ اے کے طلبہ خصوصاً اور عام قارئین عموماً اس انتخاب سے بیش از بیش فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اللھم زد فزد۔

◆ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

"اُردو ادب کی چھ سات سو سالہ تاریخ کا پورا سفر بے شمار تخلیقی کارناموں سے جگمگا رہا ہے مگر بیسویں صدی کے ادباء نے جو چراغ روشن کیے ہیں ان کی لویں ماضی کے مقابلے میں زیادہ تابناک ہیں۔ اس صدی کے ادب میں ہیئت و موضوع کا جو تنوع پایا جاتا ہے وہ گذشتہ صدیوں کے ادب میں کمیاب ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مصروف ترین صدی کے قارئین کے لیے ان وقیع ادبی کارناموں کا انتخاب کر کے پیش کیا جائے تاکہ مصروفیات مطالعے کی راہ میں کم سے کم حائل ہوں۔

سید شبیہ الحسن اُردو ادب کے ایک نوجوان مگر فاضل استاد ہیں۔ اُنہوں نے بیسویں صدی کی اُردو شاعری سے ایک مختصر مگر بے

مثال انتخاب کیا ہے۔ یہ انتخاب نصابی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طلبہ اور سنجیدہ قارئین کے شعری ذوق کی تربیت کرنے کی بھرپور اہلیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایم۔اے (اُردو) کے طلبہ، اردو ادب کی اعلیٰ جماعتوں کے دیگر معلمین اور باذوق قارئین اس انتخاب کلام سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

"____

(۴)

آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی

(تحقیق وتنقید)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تحقیقی وتنقیدی کتاب "آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" ۱۹۸۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ سفینہ پبلی کیشنز کی جانب سے شائع ہونے والی یہ کتاب ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب سید ہاشم رضا اور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے نام معنون کی گئی ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے "باتیں" کے عنوان سے اس کتاب کی تخلیق کے جواز پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ معروف نقاد اور دانش ور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی نے تحریر کیا ہے جبکہ جائزہ کے عنوان سے سید ہاشم رضا نے چند اہم نکات پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کو درج ذیل پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

۱) حالات زندگی اور شعری ماحول

۲) آل رضا کی مطبوعہ تخلیقات کا جائزہ

۳) غزل کی لکھنوی روایت آل رضا تک

۴) آل رضا کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ

۵) اردو شعری روایت میں آل رضا کا مقام

آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جس میں دو اہم چیزیں

الف) آل رضا کے سن ولادت کا حتمی تعین (مضمون)

ب) غزلیات (غیر مطبوعہ)

شامل ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک بالغ نظر نقاد ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے پیش پا افتادہ موضوعات پر قلم اٹھانے کے بجائے ان موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے جو عام ناقدین کی نگاہ و دو ررس سے رہ گئے تھے۔ غالباً آل رضا کی غزل پر یہ پہلا مبسوط کام ہے جو ڈاکٹر صاحب کی ذہن رسا کا مظہر ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے آل رضا کی شخصیت اور فن کو ایک خاص تہذیبی پس منظر میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا تنقیدی نقطۂ نظر واضح اور صاف ہے۔ انہوں نے ہم عصر ناقدین کی آرا سے بھی استفادہ کیا ہے تاہم آل رضا کی غزل کے بارے میں ان کے پیش کردہ نکات قابلِ توجہ ہیں۔ انہوں نے بڑے سلیقے سے لکھنؤ کی شعری فضا میں پروان چڑھنے والے آل رضا کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ خاص طور پر آل رضا کے سنِ ولادت کے بارے میں ان کا وقیع مضمون تحقیق کی دنیا میں ایک نادر اضافہ ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ''آل رضا کا فنِ غزل گوئی'' نامی کتاب ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید و تحقیق کے نئے امکانات کی خبر دیتی ہے۔

"آلِ رضا کے فنِ غزل گوئی" پر تین معروف ناقدین ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر جمیل جالبی اور پروفیسر ممتاز حسین کی گراں قدر آرا اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

◆ ڈاکٹر فرمان فتح پوری

"______

تخلیقی ادب کی سب سے لطیف شاخ شاعری ہے اور شاعری کی لطیف ترین شاخ غزل ہے۔ غزل، تغزل اور غزلیت مترادف ہیں۔ شعریت نام ہے لطافتِ طبع و پاکیزگیِ روح کا۔ جب یہ لطافت و پاکیزگی حروف وصوت کے خوبصورت آہنگوں سے منسلک ہو جاتی ہے تو غزل کا شعر کہلاتی ہے۔ سیّد آلِ رضا اسی نوع کی غزلیہ اشعار کے معتبر نمائندے اور خلاق شاعر ہیں۔

بیسویں صدی میں دبستانِ لکھنؤ نے اُردو غزل کو دو خاص اسلوب دیے ہیں۔ ایک قدرے تلخ و تیز او رتند و پرشور، جس کے نمائندے یگانہ چنگیزی ہیں۔ دوسرا اسلوب مولانا حسرت موہانی کا عطا کردہ ہے۔ حسرت کی شاعری قید و بند کی اذیت اور چکی کی مشقت کے باوصف بہت دھیمے، میٹھے اور نرم و لطیف لہجے کی شاعری ہے۔ سیّد آلِ رضا اسی لہجے کے نقیب و امین ہیں اور ان کی غزل اس بات کی مستحق تھی کہ اس کا بسیط جائزہ لے کر ان کے کمالاتِ فن کا اعتراف کیا جائے۔

یہ بات باعثِ مسرّت ہے کہ "شخصے از غیب بیرون آمد و کارے کرد" میری مراد سیّد شبیہ الحسن صاحب سے ہے جنھوں نے اس جانب توجہ کی۔ آلِ رضا کی غزل گوئی کو موضوعِ گفتگو بنایا۔ اُس کے

رموز و نکات کو اُجاگر کیا۔ خصوصیات و امکانات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا اور یہ سب کچھ انہوں نے ایسی دقتِ نظر، خلوص دل اور وسعتِ مطالعہ کے ساتھ کیا کہ ہم عصر غزل گو شعراء میں سید آلِ رضا کا وہ رتبہ خاص جو ناقدین کے بعض تحفظات و تعصبات کی بنا پر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا، پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آ گیا۔ یہی نہیں سید شبیہ الحسن نے آلِ رضا کی غزل گوئی کے بہانے بیسویں صدی کی غزل گوئی اور اس کے نمائندہ شعرا کے بارے میں ایسی سیر حاصل بحث فراہم کر دی ہے کہ ہم اس کی معرفت اُردو غزل کی پوری تاریخ کے نشیب و فراز کا ادراک کر سکتے ہیں، ایسا ادراک جو یقیناً غزل کی تفہیم و تنقید دونوں میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

"____

◆ ڈاکٹر جمیل جالبی

"____

جناب آلِ رضا ایک قادر الکلام و مشاق شاعر تھے۔ شریف النفس اور وضع دار۔ لکھنوی تہذیب کے ممتاز نمائندے۔ غزل اور مرثیہ وہ اصنافِ سخن ہیں جن میں انہوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں اور ان دونوں اصناف میں ان کی انفرادیت مسلم ہے۔ لب و لہجہ ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ زبان و بیان میں نہایت احتیاط اور لفظوں کو نگینے کی طرح بٹھانے کا سلیقہ ان کے ہر شعر سے جھلکتا ہے۔ آلِ رضا مرحوم کی شاعری کا مطالعہ نئی نسل کے شعراء کے لیے اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ وہ لفظوں کو برتنے اور سجاؤ کے ساتھ احساس و معنی کو شعر میں بیان کرنے کا سلیقہ حاصل کر سکیں۔ آلِ

رضا کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے غزل کے مزاج کو مرثیہ میں اور مرثیہ کے مزاج کو غزل میں جذب کر کے ایک نیا رنگ پیدا کیا ہے:

ناکامیوں کا فرش سے ہے عرش تک ہجوم
جائے دعا کدھر کے کہیں راستہ نہیں

خوشی کی بات ہے کہ سیّد شبیہ الحسن نے "جناب آلِ رضا کے فنِ غزل گوئی" پر یہ کتاب لکھ کر ان کی شخصیت، ماحول اور شاعری کو متعارف کرانے کے لیے اتنا مواد فراہم کر دیا ہے کہ اب دوسرے نقاد بھی ان کی شاعری پر توجہ دیں گے۔ میں اس کتاب کی تالیف و اشاعت پر شبیہ الحسن کو مبارک باد دیتا ہوں۔
"____

◆ پروفیسر ممتاز حسین

"____

"آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی" کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ شبیہ الحسن صاحب نے وہ تمام معلومات آلِ رضا صاحب کی زندگی اور ان کی گوناں گوں تخلیقات سے متعلق فراہم کر دی ہیں جن سے ان کے مقام کو اُردو غزل گو شعراء کے درمیان بالخصوص متعین کیا جا سکتا ہے مگر شبیہ الحسن صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ آلِ رضا کی غزل گوئی کو لکھنؤ کے مخصوص رنگ تغزل اور وہاں کے شعرائے متاخرین کی شاعری کے پس منظر میں بھی پرکھا اور جانچا ہے۔ کتاب کے اس حصے کو پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ شبیہ الحسن صاحب کا تنقیدی شعور بہت واضح، جچا تلا اور تیکھا ہے۔ وہ نہ تو اس رجحان کو

پسند کرتے ہیں کہ کلام تمام تر لفظی شعبدہ گری کا حامل ہو یا تمام تر روایتی ہو اور اس میں روایت سے سرمو انحراف نہ پایا جائے، اور نہ وہ اس جدّت پسندی کے قائل ہیں کہ جدید غزل کو اپنی فضا، معنویت اور ساخت میں ماضی کے تجربات سے بالکل ہی بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ اس کے برعکس جہاں وہ غزل میں نئی معنویت یا انفرادی تجربات کے اظہار کو پسند کرتے ہیں وہاں وہ غزل میں ایک ایسا رچا ہوا انداز بیان بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو ماضی میں اچھی غزلوں کا طرۂ امتیاز تھا اور جسے اس دور میں فراق، فیض اور دوسرے شعراء نے برتا ہے چنانچہ اپنے اس تنقیدی شعور کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے آلِ رضا کی غزل گوئی کی خصوصیت کو اُبھارا ہے۔

"____

(۵)

العطش (جلد اوّل)

(سید وحید الحسن ہاشمی کے مراثی کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب "العطش" کو ۱۹۸۹ء میں الحبیب پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ یہ کتاب سید وحید الحسن ہاشمی کے گیارہ مراثی پر مشتمل ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی اس کتاب کو ڈاکٹر باقر زیدی کے نام معنون کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ۴۰ صفحات پر مشتمل طویل دیباچہ لکھا ہے۔ شروع میں ایک اقتباس واقعۂ کربلا کی ادب میں شمولیت پر لکھا ہے۔ اس کے بعد سید وحید الحسن ہاشمی

کا تعارف بیان کیا ہے۔ ہاشمی صاحب کے مراثی کا سن وار تجزیہ کیا گیا ہے اور مراثی پر اپنی رائے بھی قلم بند کی ہے۔ سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت کا تعارف کرانے کے بعد ان کے فن اور مرثیہ گوئی کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح اس میں سید وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری کے فنی و اسلوبیاتی محاسن مکمل کر قاری کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"___

> اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ واقعۂ کربلا کا سب سے بڑا فیض یہ ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی نے بھی واقعۂ کربلا کے وسیلے سے اپنی عزائی شاعری کے ذریعہ اعلیٰ تر معاشرتی اقدار کو فروغ دینے کی جو کوشش کی ہے، وہ لائق تحسین ہے۔ آلِ رضا اور جوش ملیح آبادی کی رحلت سے اُردو عزائی ادب میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نادر الوجود اسلوبیاتی مرثیوں کے ذریعے اس کو پُر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کی رثائی شاعری مواد اور اسلوب کے لحاظ سے آلِ رضا اور جوش کے شاعرانہ محاسن کا پُر تجمل امتزاج ہے۔

___"

العطش (جلد اوّل) میں سید وحید الحسن ہاشمی کے درج ذیل گیارہ مرثیے شامل ہیں:

۱۔ ناموسِ وفا (ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھیے)

۲۔ خونِ تبسم (عالم پہ محیط ہے محبت کی روشنی)

۳۔ شب عاشور (انسان خالق دو جہاں کا کمال ہے)

۴۔ خُلقِ حسنؑ (اخلاق پر مدارِ شعور حیات ہے)

۵۔ حسینؑ اور قربانی (وہم و گماں کے دشت میں حیراں ہے آدمی)

۶۔ زندگی (وحدت جمالِ کُل ہے تو مظہر ہے زندگی)

۷۔ صبر (صبر کو لوگ مسیحائے جہاں کہتے ہیں)

۸۔ سفیرِ آلِ محمدؐ (ذہنِ وطن کا آئینہ بردار ہے سفیر)

۹۔ ملیکۃ العربؑ (میزانِ روشنی میں زمانے کو تو لیے)

۱۰۔ زنجیرِ سفر (تکمیلِ سفر کیجیے زنجیرِ سفر سے)

۱۱۔ سرکارِ وفا (وفا ہے سلطنتِ حق نظام ہے عباسؑ)

سید وحید الحسن ہاشمی کے گیارہ مرثیے مع معروف ناقدین کے تبصرہ پیش کیے گئے ہیں۔ پہلا مرثیہ ''ناموسِ وفا'' کے نام سے ہے جس کے آغاز میں ڈاکٹر میمونہ انصاری کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ دوسرے مرثیہ ''خونِ تبسم'' پر ڈاکٹر خواجہ زکریا کا فہم انگیز تبصرہ دیا گیا ہے۔ تیسرا مرثیہ ''شب عاشور'' ہے۔ اس پر ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی کا تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا مرثیہ ''خُلقِ حسنؑ'' کے نام سے ہے۔ اس مرثیے پر سید سجاد رضوی کا لکھا ہوا تبصرہ دیا گیا ہے۔ پانچواں مرثیہ ''حسینؑ اور قربانی'' کے نام سے ہے۔ اس پر پروفیسر عاصی کرنالی کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ چھٹا مرثیہ زندگی کے نام سے ہے، اس پر ڈاکٹر خیال امروہوی کا فکر انگیز تبصرہ دیا گیا ہے۔ ساتواں مرثیہ ''صبر'' کے نام سے ہے، اس پر پروفیسر عتیق احمد کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ آٹھواں مرثیہ ''سفیرِ آلِ محمدؐ'' کے نام سے ہے۔ اس پر ڈاکٹر اجمل نیازی کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ نواں مرثیہ ''ملیکۃ العربؑ'' کے نام سے ہے۔ اس پر تبصرہ ڈاکٹر آغا سہیل نے رقم کیا ہے۔ دسواں مرثیہ ''زنجیرِ سفر'' ہے اس پر ڈاکٹر

سہیل احمد خاں کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ آخری مرثیہ "سرکارِ وفا" کے نام سے ہے اس پر ڈاکٹر عبیداللہ خاں کا فکر انگیز تبصرہ دیا گیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب مرثیہ اور سید وحید الحسن ہاشمی کے حوالے سے خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ مرتبہ کتاب ان کی خوش سلیقگی کی مظہر ہے۔ اس کتاب پر عہدِ جدید کے دو نامور ناقدین اور محققین ڈاکٹر وحید قریشی اور احمد ندیم قاسمی کی آرا درج ہیں۔

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

"_____

سید وحید الحسن ہاشمی کا مجموعۂ مراثی "العطش" کئی لحاظ سے اہم ہے۔ کلاسیکی روایت میں انفرادیت کا راستہ نکالنا جان جوکھوں کا کام ہے اور بڑے بڑے شاعر مرثیوں کی بندوں والی تکنیک میں اکثر اساتذہ کے مصرعوں کے مصرعے دہرانا شروع کر دیتے ہیں۔ حدود و قیود میں رہتے ہوئے اپنے لئے نیا راستہ نکالنا اور مرثیے کی زمین میں وسعت پیدا کرنا مشاق اور خلاق شاعر ہی کا کام ہے۔ وحید ہاشمی میں یہ دونوں صفات موجود ہیں۔ اس لئے ان کے مرثیوں میں انیس و دبیر کی شان و شوکت بھی ہے اور روانی و محاکاتی کا انداز بھی، لیکن بزرگوں کے "مال" کو دہرانے کا وہ رویہ نہیں جو آج کل کے مرثیہ نگاروں کے ہاں عام ہو گیا ہے۔ کسی بندھی ٹکی سچویشن میں تر و تازگی قائم رکھنا بڑے سلیقے کی بات ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شخصیات کو انسانی صفات سے الگ نہیں کیا اور عقیدے کے جوش میں وہ غلو کی منزل تک نہیں پہنچے۔ اُردو مرثیے میں "العطش" ایک اہم اضافہ ہے۔

_____"

◆ احمد ندیم قاسمی

"

سید وحید الحسن ہاشمی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ مرثیہ گوئی ان کے فن کا خاص میدان ہے اور دیگر متعلقہ اصناف شاعری۔ نعت، اور سلام اور منقبت میں بھی وہ اپنے عصر کے شعراء میں ایک الگ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بہت کم شعراء نے عقیدے اور فن کو اتنے توازن اور تناسب سے شعر کی صورت دی ہوگی۔ ان کے کلام میں روانی، سلاست اور سادگی مستزاد صفات ہیں۔ ان کا فن جہاں بڑے بڑے اہلِ علم و دانش کی تحسین کا مستحق ہے۔ وہیں عام پڑھا لکھا آدمی بھی ان کے کلام سے دل کی گہرائیوں تک متاثر ہوگا۔

ناقدینِ ادب نے بجا طور پر کہا ہے کہ انیسؔ اور دبیرؔ کے بعد فنِ مرثیہ نگاری کو زوال آ گیا۔ میں نے "بجا طور پر" کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ انیسؔ و دبیرؔ کے بعد سالہا سال تک ان کے پائے کی مرثیہ نگاری کا سراغ نہیں ملتا البتہ بیسویں صدی میں جوش ملیح آبادی، آلِ رضا، نسیم امروہوی اور وحید الحسن ہاشمی کے سے مرثیہ نگاروں نے اپنی تخلیقات سے ناقدینِ ادب کے دعوے کی تنسیخ کر دی۔ مثال کے طور پر ہاشمی صاحب کے کلام کا مطالعہ کیجئے۔ وہ پورے سانحہ کربلا کو، اس کے صحیح سیاق و سباق کے ساتھ، مگر دورِ جدید کے طرزِ احساس کی روشنی میں، اتنے کمال سے فن کا پیرایہ عطا کرتے ہیں کہ اردو میں فنِ مرثیہ نگاری عروج کی ایک نئی سطح کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

"

(۶)

مفاھیم

(تحقیقی وتنقیدی مقالات)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ ''مفاہیم'' کے نام سے ۱۹۸۹ء میں اظہار سنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس مجموعے کا دیباچہ معروف نقاد ڈاکٹر آغا سہیل نے تحریر کیا ہے جبکہ ڈاکٹر سہیل احمد خاں، ظہیر کاشمیری اور پروفیسر عتیق احمد کی گراں قدر آرا اس مجموعے کی وقعت میں اضافے کا موجب ہیں۔ یہ کتاب معروف نقاد اور محقق ڈاکٹر وحید قریشی کے نام معنون کی گئی ہے۔

''مفاہیم'' میں درج ذیل سات مضامین شامل ہیں:

۱) طنز ومزاح۔ مقاصد ومحرکات

۲) ایک معتبر مزاح نگار۔ فرحت اللہ بیگ

۳) اُردو مرثیہ (ایک تمہید)

۴) مرثیے اور قصیدے کی جہتوں کا جائزہ

۵) مرثیے اور ڈرامے کی مماثلتیں

۶) ظفر علی خاں کی نعت نگاری

۷) حفیظ جالندھری۔ ایک منفرد گیت کار

ان مضامین کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلے حصہ میں چار نظری مضامین ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی مہارت اور سلیقے سے اپنے نظریات پیش

کیے ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ یہ چاروں مضامین اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے منفرد رویوں کے عکاس ہیں۔خاص طور پر مرثیے کے حوالے سے تحریر کیے گئے مضامین انتہائی وقیع ہیں۔اسی طرح سے تین مضامین بیسویں صدی کے تین اہم تخلیق کاروں فرحت اللہ بیگ، ظفر علی خان اور حفیظ جالندھری کے اختصاصی رُخوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر آغا سہیل دیباچے میں رقم طراز ہیں:

"—

> عزیزی سید شبیہ الحسن ہاشمی کے مقالاتؔ او رمضامین کا مجموعہ "مفاہیم" کئی لحاظ سے اہم اور قابلِ ذکر ہے کیونکہ اس مجموعے میں انہوں نے ہر موضوع پر فکر انگیز اور پر مغز باتیں جمع کی ہیں۔ہر بات میں کچھ ایسے گوشے پیدا کیے ہیں جن میں نت نئے معاملات بھی ہیں اور تحقیق و تنقید کے ایسے پہلو بھی جن پر غور کرنے کے لئے ہمیشہ گنجائش رہتی ہے۔

"—

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک تہذیبی نقاد ہیں۔یہی سبب ہے کہ ان کے تمام مضامین میں تہذیبی رویوں کی عکاسی ملتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں "باتیں" کے عنوان سے اپنے مضامین کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"—

> تنقید، ایک تہذیبی عمل ہے اور اسی نکتے کی وضاحت ان مضامین میں نظر آئے گی میں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی تہذیبی صورت حال سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے اسی وجہ سے آپ کو بیشتر مضامین میں ہم آہنگی اور فکری مماثلتیں ملیں گی۔"

"—

''مفاہیم'' کے تمام مضامین فکری اعتبار سے منفرد اور یگانہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا اسلوب بیان نہایت دلنشیں اور اثر انگیز ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا یہ مجموعہ فکری اور فنی ہر دو اعتبار سے قابلِ توجہ اور لائق صد تحسین ہے۔ مفاہیم کے فلیپ پر درج معروف ناقدین کی آراء ملاحظہ فرمائیے۔

◆ **ظہیر کاشمیری**

''____

شبیہ الحسن صاحب نے اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعے ''مفاہیم'' میں بعض اہم اور نازک ادبی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ وہ ہر موضوع کو گہری ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور نتائج اخذ کرنے سے پہلے ہر موضوع کے داخلی و خارجی اور زمانی پہلوؤں کو عموماً پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے مضامین میں شعری اور نثری حوالے جا بجا ملتے ہیں جو ان کے وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہیں۔ حزنیہ اور طربیہ ادب، مرثیہ کے فن اور ڈراما پر ان دنوں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے لیکن اس اصناف کے بارے میں شبیہ الحسن صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ان میں نیا پن ہی نہیں فکری اضافوں کی جھلک بھی ملتی ہے۔ وہ بعض جگہ ادب کے گنجلک مسئلوں کو بڑی سادگی اور شستگی سے بیان کر جاتے ہیں اور یہ سادگی اور شستگی ان کے اظہار کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ''طنز و مزاح۔ مقاصد و محرکات''، ''اردو مرثیہ''، ''مرثیے اور قصیدے کی مشترک جہتوں کا جائزہ''، ''مرثیے اور ڈرامے کی مماثلتیں'' پہ مضامین تنقید کے نئے امکانات کی نشاندہی ہی نہیں کرتے بلکہ ہمارے تنقیدی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ بھی ہیں۔ بحیثیت مجموعی ''مفاہیم'' ایک

معتبر تنقیدی دستاویز ہے جو ادب کے مزاج دانوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

"____

◆ ڈاکٹر سہیل احمد خان

"____

اُردو ادبیات کے مدرس کے طور پر مجھے پچھلے بیس سال میں بارہا ایسے طلبہ سے واسطہ پڑا جو امکانات سے پُر تھے۔ ادبیات کے ضمن میں ان کا تجسس بڑا مخلصانہ انداز رکھتا تھا۔ توقع بندھتی تھی کہ وہ اس تجسس کو کسی تخلیقی یا تنقیدی وحدت میں ڈھالیں گے۔ ان میں سے کچھ، بہت جلد ہمت ہار بیٹھے اور کچھ نے کسی خاص مرحلے ہی کو منزل سمجھ لیا۔ بہت کم ایسے تھے جو نسبتاً استقلال سے اپنے امکانات کو چمکاتے رہے۔

شبیہ الحسن کے بارے میں یہ آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے تنقیدی امکانات کو ایک مربوط شکل دینے کی مخلصانہ کاوش میں مصروف ہیں، شبیہ الحسن اردو شعری اصناف کے پس منظر میں کارفرما تہذیبی طرز احساس سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ مختلف اصناف میں اس طرز احساس کی مماثلتیں تلاش کرتے ہوئے اپنی تہذیبی اقدار کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ انہوں نے کلاسیکی ادب کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کے ادب کے چند اہم نمائندوں پر بھی مضامین لکھے ہیں۔ امید ہے کہ اپنے امکانات کو مزید چمکا کر تنقید کے نئے اسالیب کی مدد سے وہ اپنے مضامین میں اور گہرائی پیدا کرسکیں گے۔ "مفاہیم" کے مضامین میں ایسے عناصر موجود ہیں جو توقعات بڑھاتے ہیں۔

"____

◆ پروفیسر عتیق احمد

"______

یہ صورت حال مکمل حقیقت ہے کہ پانچویں دہائی کے بعد سے بالعموم ہماری تنقید میں اور بالخصوص ترقی پسند نقطۂ نظر کی تنقید میں نئے ناموں کا اضافہ بس برائے بیت قسم کا ہے۔ یہ صورت حال اس لیے تشویش ناک زیادہ بن جاتی ہے کہ نقاد کے لیے جس علمی ریاضت اور اپنی سماجیات پر جس حکیمانہ دسترس کی ضرورت ہوتی ہے اس سے شاید ہماری نئی نسل آنکھ چرا بیٹھی ہے۔

میں اس وقت اردو تنقید میں ایک نئے نام کو خوش آمدید کہنے کا خوشگوار فریضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ نیا نام شبیہ الحسن کا ہے جن کے مضامین کا پہلا مجموعہ "مفاہیم" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ شبیہ الحسن معلمی سے وابستہ ہیں اور مزاجاً شعر کے تخلیق کار ہیں۔ شعری وابستگی انہیں بھی ہمارے ایسے تنقید نگاروں کی صف میں لے جاتی ہے جنہیں صرف "نقاد" نہیں کہا جاتا۔ معلمی کے پیشے سے وابستگی البتہ ہمیں ان کے ذوق مطالعہ اور "جبریہ" مطالعہ کی طرف دھیان دلاتی ہے۔

"مفاہیم" میں شامل ان کے مضامین میں سے کئی ایک کو پڑھنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ اس سے مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ شبیہ الحسن کے مضامین میں باضابطہ مطالعہ کی گہری لکیریں بھی اُبھرتی ہیں اور اسلوب نگارش میں تخلیقی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں۔ توقع ہے کہ اردو ادب کے مطالعہ سے شغف رکھنے والے حضرات تنقید کے اس نئے مجموعے اور اس کے مصنف کا کھلے دل سے استقبال کریں گے۔

______

(۷)

منتخب مرثیے

(قیصر بارہوی کے مراثی کا مجموعہ)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب ''منتخب مرثیے'' قیصر بارہوی کے دس مرثیوں کی ترتیب و تدوین ہے۔ اس مجموعۂ مراثی کو ۱۹۹۱ء میں قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن لاہور نے سے شائع کیا۔ ۲۶۴ صفحات کی اس کتاب کو سید تجمل حسین کے نام معنون کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں حرف سپاس کے نام سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے ایک مضمون لکھا ہے۔ دیباچہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے ذہن رسا کا عکاس ہے۔ دیباچے میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے قیصر بارہوی کے بارے میں کئی حوالوں سے بحث کی ہے۔ اس دیباچے میں قیصر بارہوی کے مراثی کا تحقیقی مطالعہ، قیصر بارہوی کی مرثیہ گوئی کا فن دوسرے شعرا کے ساتھ ان کا موازنہ اور عصر حاضر میں ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری اور فنی پختگی پر گہری روشنی ڈالی ہے۔ دیباچے ہی میں قیصر بارہوی کے مراثی مع سنین بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اس طرح قیصر بارہوی کے حوالے سے یہ ایک بہت اہم کتاب ہے۔ قیصر بارہوی کی افکار و نظریات اور مراثی میں عظمت کے حوالے سے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ کتاب نہایت عمدہ تخلیق ہے۔ قیصر بارہوی کا فن اس دیباچے میں مکمل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ آخر میں

قیصر بارہوی کی زندگی کو پیدائش سے لے کر کتاب کے چھپنے تک ایک نظر میں دیکھا گیا ہے۔

اس مجموعے میں قیصر بارہوی کے درج ذیل مراثی شامل ہیں۔

۱۔ مدحِ ابوطالبؑ (مدحِ ابوطالبؑ میں ہے انداز بیاں اور)

۲۔ آیاتِ آمنہؑ (اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام)

۳۔ عروجِ عالمِ نسواں (عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن)

۴۔ عشقِ حسینؑ (عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو)

۵۔ عباسِ نامدار (عباسِ نامدار کو جوشِ نبرد ہے)

۶۔ سخن لاجواب (یارب میری زباں کو سخن لاجواب دے)

۷۔ یوسفِ کربلا (حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں)

۸۔ ہفت اقلیم (ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا)

۹۔ آبروئے فکر (دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے)

۱۰۔ شعلۂ مختصر (دنیا میں نیا باب سخن کھول رہا ہوں)

(۸)

العطش (جلد دوّم)

(سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب 'العطش' (جلد دوّم) سید

حیدالحسن ہاشمی کے گیارہ جدید مرثیوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۵ء میں الجیب پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ ۲۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جدید اردو مرثیے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں 'حرفِ مدعا' کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی کے معروضات پیش کیے گئے ہیں۔ اسی طرح اس حصے میں معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر آغا سہیل کا مضمون بعنوان 'وحید الحسن ہاشمی اور جدید اردو مرثیہ' اور ڈاکٹر مظفر عباس کا مضمون بعنوان 'اردو مرثیے کے وحید العصر' بھی شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے صحتِ متن کے ساتھ سید وحید الحسن ہاشمی کے درج ذیل گیارہ مرثیے مرتب کیے ہیں۔

۱۔ انا اور خودداری (اس دور کا انسان گرفتار بلا ہے)

۲۔ معرفتِ ذات (تلاشِ ذات میں سرگرم و سرگراں ہے بشر)

۳۔ اسوۂ بتولؑ (جی چاہتا ہے مدحِ پیمبرؐ کی بات ہو)

۴۔ آرزوئے علیؑ (آرزوئے اسد اللہ رقم کرتا ہوں)

۵۔ پردہ (تزئین کائنات کے منظر عجیب ہیں)

۶۔ بچپن (زیست کے منزلِ اوّل کا سفر ہے بچپن)

۷۔ شباب (شباب حسن کی رنگینیوں کا محور ہے)

۸۔ پیری (خالق کی ثنا محورِ عقلِ بشری ہے)

۹۔ شخص و شخصیت (شخصیت تملۂ جذبۂ انسانی ہے)

۱۰۔ آقائے ابوالقاسم خوئی (انسان کائنات کے خالق کا نور ہے)

۱۱۔ جوہرِ وراثت (عمل حدیقۂ انسانیت کی خوشبو ہے)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں ندرت یہ کی ہے کہ اپنا طویل مقدمہ لکھنے کے بجائے دو معروف ناقدین کے مضامین اور سید وحید الحسن ہاشمی کے خیالات پیش کر دیے ہیں۔ بہر حال یہ دونوں مضامین وحید شناسی کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہم، قابل قدر اور لائق صد تحسین ہے۔

(۹)

شام و سحر کی باتیں

(ماہنامہ شام وسحر لاہور کے اداریے)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی معروف کتاب ''شام وسحر کی باتیں'' جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور میں شائع ہونے والے اداریوں پر مشتمل ہے جنہیں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے بڑی محنت سے تحریر کیا ہے۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب الحبیب پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب کو شیخ صفدر علی کے نام معنون کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں 'شام وسحر' کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس میں مرزا ادیب، ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر انور سدید اور پروفیسر سجاد مرزا کے مضامین شامل ہیں۔ مرزا ادیب نے اپنے مضمون ''شام وسحر کی حکیمانہ باتیں'' ڈاکٹر آغا سہیل نے ''شام وسحر کے فکری اداریے'' ڈاکٹر انور سدید نے ''اندھیرے کے جگنو'' اور پروفیسر سجاد مرزا نے ''حقیقت پسندانہ باتیں'' کے نام سے اپنے اپنے مضامین میں شام وسحر کا تنقیدی جائزہ پیش ہے اور اس پرچے کا تنقیدی اور تجزیاتی نقطۂ نگاہ سے مطالعہ پیش کیا ہے اس طرح اس حصے میں ان تجزیہ نگاروں کی آراء

سے شام و سحر کی خوبیاں قارئین کے اذہان کے در وا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

دوسرے حصے میں ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۷ء کا توضیحی اشاریہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اس حصے کے اشاریوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دس سالوں میں شام و سحر نے کتنے معتبر ادیبوں کی مختلف تخلیقات کو شائع کیا اور کتنے نامور ادیبوں کو ادبی دنیا میں روشناس کرایا۔ اس اشاریہ کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شام و سحر میں شائع ہونے والی تحریروں اور اس میں لکھنے والوں کے ادب کا معیار کیسا ہے لہٰذا یہ حصہ شام و سحر کے تجزیے کے حوالے سے ایک بہت اہم اضافہ ہے جس سے اس رسالے کی تفہیم اور اس کا اصل مقام ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

آخری حصہ ''باتیں'' کے نام سے ہمارے سامنے آتا ہے جس میں ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۷ء کے اداریے پیش کیے گئے ہیں۔ اس حصے میں ناقدین کی آراء بھی دی گئی ہیں۔ اداریہ کسی بھی رسالے کی تفہیم میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں 10 سالوں کے اداریے سن وار لکھے گئے ہیں جو صاحب فہم و ذکا کے لیے معتبر مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ادبی، تحقیقی اور تنقیدی حوالے سے بہت اہم کتاب ہے۔ ہماری جملہ باتوں کی تصدیق کے لیے اور اس کتاب کا معیار مقرر کرنے کے لیے اس کے فلیپ پر معروف ادیب اور ادب شناس پروفیسر رضی عابدی کی رائے معاون ثابت ہوگی۔

◆ **پروفیسر رضی عابدی**

''

آج کا دور صحیح معنی میں قحط الرجال کا دور ہے اور اس انحطاط کی زیادہ تر ذمہ داری ہمارے تعلیمی اداروں پر آتی ہے جہاں تعلیم اور تربیت دونوں بالکل ختم ہو گئے ہیں۔ طلبہ حصول علم کی خاطر

نہیں بلکہ محض امتحان پاس کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور اساتذہ میں بھی طلب علم کا کوئی جذبہ نہیں۔ زندگی سے سنجیدگی تقریباً مفقود ہوگئی ہے ۔اس صورتِ حال میں دانشوروں کی ذمہ داریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ خاص طور پر اُس وقت جب دانشوری بھی جنس بازار ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے دورِ جاہلیت میں سنجیدہ جریدہ کا نکالنا اور اسے باقاعدگی کے ساتھ برسوں تک چلانا اور اس کے معیار کو برقرار رکھنا جہاد سے کم نہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کی علم و ادب سے وابستگی دوسروں کے لیے بھی ہمت افزائی کا باعث ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ان اداریوں میں ادب کے تقریباً تمام مسائل پر بحث ہے اور زیادہ اہم بات یہ ہے ان میں ادب کو زندگی سے علیحدہ کر کے نہیں بلکہ خود زندگی کے ایک فعال شعبہ کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ اداریے ادب کے حوالے سے زندگی کے متعلق اہم سوالات اُٹھاتے ہیں اور صحیح سوالات کا اُٹھانا ہی اصل دانشوری ہے۔

"——

(۱۰)

کلیاتِ حبیب

(حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب "کلیاتِ حبیب۔ محبوب الحسن حبیب جونپوری کا کلام" مئی ۱۹۹۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ ۱۴۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو حبیب پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ اس کتاب کو آرزو لکھنوی، سیّد

حیدالحسن ہاشمی، پروفیسر ذوالفقار حسنین ہاشمی، ڈاکٹر باقر زیدی اور سید منقاد حیدر کے نام معنون کیا گیا ہے۔

یہ کتاب تین بنیادی حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے مقدمے پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے حبیب جونپوری کی شخصیت، اُن کی تصانیف اور نظم، غزل، قصیدہ، قطعات اور رباعیات کے حوالے سے مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقدمے کے مطالعہ سے حبیب جونپوری کی اصناف شعر اور اُن کا فن کسی حد تک ہماری تفہیم میں آجاتا ہے۔

دوسرے حصے میں حبیب جونپوری کی شخصیت پر پانچ مبسوط مقالے شامل ہیں۔ پہلا مقالہ سید وحید الحسن ہاشمی کا ''حبیب جونپوری۔ چند یادیں چند باتیں'' کے نام سے ہے۔ دوسرا مقالہ ''حبِّ حبیب'' پروفیسر سحر انصاری کا، تیسرا ''حبیب جونپوری۔ ایک مطالعہ'' پروفیسر عبدالکریم خالد کا، چوتھا ''حبیب جونپوری'' حسین اعظمی کا اور پانچواں مقالہ ''میرا بھائی محبوب الحسن'' پروفیسر اقبال حسین کا ہے۔ ان مقالات کے مطالعہ سے حبیب جونپوری کے فن کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔

تیسرے حصے میں حبیب جونپوری کی سولہ نظمیں، سولہ غزلیں، آٹھ قصیدے اور اٹھائیس قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں صرف حبیب جونپوری کا کلام ہی شامل نہیں بلکہ ناقدین کی آراء اور ان کا تجزیہ بھی شامل ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ادیب کی تفہیم کے لیے یہی آسان طریقہ ہے جو اس کتاب میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کی ادبی ہنرمندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہماری درج بالا باتوں کی تصدیق اس وقت ہوتی ہے جب اس کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر عبادت بریلوی کی لکھی ہوئی رائے ہمارے سامنے آتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

◆ ڈاکٹر عبادت بریلوی

"—

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ انہوں نے لکھنؤ کی شاعری پر قابل قدر کام کر کے اُردو زبان وادب کے باقاعدہ طالب علم ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ جناب حبیب جونپوری کا کلام اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے اور پڑھنے والے ان کی شاعری اور انداز سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ "کلیاتِ حبیب" مرتب کر کے ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ایک اچھے شاعر سے ہمیں متعارف کرایا ہے اور ایک جوہر قابل کو مٹی میں ملنے سے بچالیا ہے۔

—"

(۱۱)

ترجیحات

(تحقیقی وتنقیدی مضامین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کا دوسرا مجموعہ مئی ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ ۲۲۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو اظہار سنز لاہور نے شائع کیا۔ اس کتاب کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے والد اور والدہ کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے لکھا ہے اور اس میں انہوں نے ڈاکٹر شبیہ الحسن کے فکروفن پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں اُن کی رائے گراں قدر رائے ملاحظہ فرمایئے:

”۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی 'ترجیحات' کا مطالعہ میں نے دلچسپی اور انہماک سے کیا۔ اس سے پہلے بھی ان کی کئی تحریریں میری نظر سے گزری ہیں۔ ان کا میدان تحقیق و تنقید ہے اور تخلیق کے اُفق سے بھی وہ نمودار ہو کر ہماری نگاہ کے لئے حیرت سامانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان ہیں لیکن بڑی پختہ فکری کے ساتھ قرطاس و قلم کا حق ادا کر رہے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔“

آخر میں ”ڈاکٹر شبیہ الحسن کی ترجیحات“ کے نام سے پروفیسر عبدالکریم خالد نے ایک وقیع مضمون لکھا ہے، جس میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فن کے بعض اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں اُن کی رائے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

”۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن صاحب کے کے ہاں تصنیف و تالیف کا شغف جس وافر انداز میں ملتا ہے، اس کے مظاہر اُوپر تلے شائع ہونے والی وہ کتابیں ہیں، جن میں اس کے تخلیقی اور تحقیقی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اُس کا ذہنِ رسا تاریخ ادب کے بطن سے گوہر آبدار کی تلاش میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتا ہے۔

۔۔۔۔۔۔“

ترجیحات ایک تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے۔ جس میں سات نامور شعرا اور ادبا پر مضامین قلمبند کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا پہلا مضمون محمود نظامی پر ہے، جس میں انہوں نے محمود نظامی کے سفرنامے کے بارے میں نہایت ناقدانہ انداز میں اپنے خیالات کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ دوسرا مضمون ”آل رضا کے سنِ ولادت کا حتمی تعین

'' ہے۔اس میں مختلف حواشی کے ذریعے انہوں نے آل رضا کے سن ولادت کا تعین کیا ہے۔ یہ مضمون ایک ایسا تحقیقی کارنامہ ہے جو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تحقیقی بصیرت و بصارت پر دلالت کرتا ہے۔ تیسرا مضمون ''مولانا مرتضیٰ حسین فاضل۔ایک مطالعہ'' میں مرتضیٰ حسین کی مذہبی، ادبی، تحقیقی اور تخلیقی تصانیف اور ان کی شخصیت پر بہت خوبصورت مضمون لکھا ہے۔ چوتھا مضمون ''نسیم امروہوی۔ایک موضوعاتی مطالعہ'' ہے۔اس میں نسیم امروہوی کی شاعری، لسانیات، دینیات و اسلامیات، ادبی کاوشیں، نفسیات، تاریخ نویسی، انتقاد اور ان تمام پہلوؤں پر نہایت مدبر انداز میں اپنی رائے لکھی ہے اس طرح نسیم امروہوی کی شخصیت کے تمام پہلو قاری کے پیش نظر آ جاتے ہیں۔ پانچواں مضمون ''شیر افضل کی شعری تخلیقات'' ہے اس میں انہوں نے شیر افضل کی شاعری کے مختلف موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے اور شعری حوالوں سے اپنی رائے کو مستند کیا ہے۔اس کا چھٹا مضمون ''قیصر اقلیم مرثیہ۔قیصر بارہوی'' اس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ نگاری میں قیصر بارہوی کا مقام کتنا بلند ہے اور تفکر و تدبر کی عظمت سے کس طرح وہ شاعری کے موضوعات میں رنگ بھرتے ہیں۔ ساتواں مضمون ''ایک معتبر مرثیہ نگار۔سید وحید الحسن ہاشمی''۔اس مضمون میں سید وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری کے محاسن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس طرح وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری میں ممتاز مقام ہمارے سامنے آتا ہے۔

یہ کتاب اپنے انداز کی بہت انوکھی اور اہم کتاب ہے اس میں حواشی کے ذریعے ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اپنی بات میں وزن پیدا کیا ہے۔ یہ کتاب تحقیق اور تنقید کے حوالے سے ایک اہم اور معتبر دستاویز ہے۔اس کا فلیپ ڈاکٹر سہیل احمد خان نے لکھا ہے۔ ان کی رائے ہمارے موقف کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

◆ ڈاکٹر سہیل احمد خان

"

ڈاکٹر شبیہ الحسن ماہنامہ 'شام وسحر' کے مدیر کے طور پر ادبی حلقوں میں معروف ہیں۔ انہوں نے تحقیق وتنقید کے شعبوں سے اپنی گہری وابستگی کا ثبوت ایم۔ فل اور پی ایچ۔ ڈی کے مقالات کی صورت میں فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کئی طبع زاد اور مرتبہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ گویا انہوں نے بطور محقق اور نقاد علمی حلقوں میں اپنی شناخت کرالی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تازہ ترین تصنیف 'ترجیحات' تحقیق وتنقید سے ان کی وابستگی کا ایک ثبوت فراہم کرتی ہے۔ شبیہ الحسن ان نقادوں اور محققین میں سے ہیں جو ادب کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر میں رکھ کر دیکھتے ہیں۔ تہذیبی اقدار سے ان کی عملی وابستگی ان کی تحقیق وتنقید کو ایک نہج عطا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ پامال موضوعات پر قلم اٹھانے کے بجائے زیادہ تر ان شخصیات کو تنقید وتحقیق کا موضوع بناتے ہیں جن پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کوشش میں بسا اوقات وہ نئی معلومات فراہم کرتے ہیں یا کسی ایسے زاویے کو سامنے لاتے ہیں جس میں تنقیدی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیقی مجموعہ ''ترجیحات'' ڈاکٹر شبیہ الحسن کے علمی سفر کا ایک نیا مرحلہ ثابت ہوگا۔

"

(۱۲)

آغا صاحب

(ڈاکٹر آغا سہیل کی حیات وفن)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی کتاب ''آغا صاحب۔ حیات وفن''

ادبی دنیا میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اگست ۱۹۹۸ء میں الحسن پبلی کیشنز لاہور نے اسے شائع کیا۔ ۳۵۲ صفحات کی یہ کتاب جناب اظہار احمد اور چودھری محمد اشرف کے نام معنون کی گئی ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے ذہنِ رسا کا آئینہ دار ہے۔ اس مقدمے میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ:

"_____

مقام مسرت ہے کہ ہمارے ادیبوں نے بگڑی ہوئی ادبی صورتِ حال کو سہارا دیا اور بے سروسامانی کے باوجود ایسے ایسے فن پارے تخلیق کیے جن کا عالمی سطح پر استحسان اور استقبال ہوا۔ آج انھی عظیم تخلیق کاروں کی بدولت پاکستان کا ادبی سرمایہ کسی بھی دوسرے ملک کے علمی و ادبی سرمائے سے کم نہیں ہے۔ پاکستان کے علمی و ادبی سرمائے کو سربلند، معتبر اور فزوں تر بنانے والے فنکاروں میں ایک معزز اور معتبر نام ڈاکٹر آغا سہیل کا بھی ہے۔

_____"

'آغا صاحب' کو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب تعارف کے متعلق ہے جس میں آغا صاحب کی تصانیف اور مختلف ادباء کی نظر میں آغا صاحب کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ دوسرا باب شخصیت کے نام سے ہے۔ اس میں ڈاکٹر آغا سہیل، احمد ندیم قاسمی اور شور صہبائی کے مضامین شامل ہیں۔ تیسرا باب خاکہ کے نام سے ہے اس میں احمد جمال پاشا، ڈاکٹر سلیم اختر، رحیم گل، احمد عقیل روبی، ڈاکٹر اجمل نیازی اور محمد ظہیر بدر کے آغا صاحب پر لکھے گئے خاکے دیے گئے ہیں۔ چوتھا باب "افسانہ" کے نام سے ہے۔ اس میں آغا صاحب کے افسانوں پر ڈاکٹر محمد علی صدیقی،

ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر وحید عشرت، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر فردوس انور قاضی اور باقر علی شاہ کے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔اس طرح ان ادبا کی آرا میں آغا صاحب کے افسانوں کے مختلف پہلوؤں اور جہات کو سامنے لایا گیا ہے۔ پانچواں باب تنقید پر مبنی ہے۔اس باب میں جیلانی کامران، میرزا ادیب، ڈاکٹر وقار راشدی، ڈاکٹر عبدالکریم خالد اور باقر علی شاہ نے ڈاکٹر آغا سہیل کے تنقیدی افکار و نظریات پر بحث قلم بند کی ہے۔ چھٹا باب سفرناموں سے متعلق ہے۔اس باب میں جیلانی کامران، انیس ناگی اور جعفر علی نے آغا صاحب کے سفرناموں کے بارے تنقیدی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔ ساتواں باب ناول سے متعلق ہے اس میں ڈاکٹر خالد اشرف نے آغا صاحب کے ناول پر بحث کی ہے۔ آٹھواں باب گفتگو کے نام سے ہے اس میں ڈاکٹر آغا سہیل سے کیے گئے ڈاکٹر حسن رضوی، زاہد بشیر، طاہر مسعود اور سعدیہ شفقت کے انٹرویوز شامل ہیں۔ نواں باب تبصرے کے نام سے ہے اس میں ڈاکٹر آغا سہیل کی تصانیف کے حوالے سے رئیس امروہوی، احمد ندیم قاسمی، خدیجہ مستور، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر سہیل احمد خاں، ڈاکٹر انور سدید، پروفیسر سحر انصاری اور زرینہ اجمل کی آرا شامل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب اُردو ادب میں خوبصورت اضافہ ہے۔ ہم اپنے موقف کی تائید میں احمد ندیم قاسمی کی یہ رائے پیش کرتے ہیں:

◆ احمد ندیم قاسمی

"____

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت اور علم و فن کے بارے میں، متعدد صائب الرائے اہلِ قلم کے افکار کو کتابی صورت میں یکجا کر کے پاکستان کی ادبی تاریخ کا ایک اہم تقاضا پورا کیا

ہے۔ ڈاکٹر آغا سہیل کے علم و فضل اور فکر و فن کی متنوع جہات ہیں۔ ان سب کو ایک کتاب میں اس سلیقے سے سمیٹنا، آغا صاحب سے مرتب کی عقیدت کے علاوہ، ان کی توانا اور ہمہ گیر لگن کا بیّن ثبوت ہے۔ انہوں نے آغا صاحب کی شخصیت کے علاوہ ان کے افسانوں، سفر ناموں، ناول، تنقید اور تحقیق کے الگ الگ عنوانات کے تحت دورِ حاضر کی بڑی بڑی شخصیات کے وقیع مضامین اس مجموعے میں شامل کئے ہیں۔ یوں یہ مجموعہ آغا صاحب کی سوانح عمری کا کردار بھی ادا کر رہا ہے اور دورِ حاضر کی ایک اہم ادبی شخصیت کے کمالاتِ فن کے متوازن اذکار سے تاریخِ ادب کا ایک الگ باب بھی تکمیل پذیر ہو گیا ہے۔ اس کامیابی کے لئے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھرپور تحسین کے مستحق ہیں۔

"—

(۱۳)

معتبر مرثیے

(قیصر بارہوی کے مراثی کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب "معتبر مرثیے" جدید دور کے معروف مرثیہ نگار حضرت قیصر بارہوی کے مرثیوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں قیصر بارہوی پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔ یہ ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا انتساب جدید مرثیہ نگاروں کے نام کیا گیا ہے۔

معتبر مرثیے کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں مقدمہ اور دوسرے حصے میں قیصر بارہوی کے گیارہ مرثیے دیے گئے ہیں۔ اس کے مقدمے میں

قیصر بارہوی کے فن اور مراثی کی فہرست اہتمام کے ساتھ پیش کی گئی ہے اور قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری میں فنی واسلوبیاتی خوبیاں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب فنِ مرثیہ کے حوالے سے اہم تصنیف قرار پاتی ہے۔ قیصر بارہوی کا مرثیہ گوئی میں مقام اور مراثی میں لفظی ومعنوی خوبصورتی کو مقدمے میں خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن مقدمے میں رقمطراز ہیں:۔

"——

قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری جدت وکلاسیکیت کا حسین امتزاج تھی۔ انہوں نے یوں تو ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی تھی لیکن صنفِ مرثیہ میں ان کے طبعی جوہر کھل کر ہمارے سامنے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیصر بارہوی کے مرثیوں میں دیگر اصناف سخن کی خوشبو بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر غزل کا رچاؤ اور قصیدہ کا طنطنہ انتہائی حسین امتزاج کے ساتھ ان کے مرثیوں میں جلوہ افروز ہوا۔

——"

"معتبر مرثیے" میں قیصر بارہوی کے درج ذیل گیارہ مرثیے شامل ہیں:

(۱) وحدت مذہب (فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو)

(۲) تربیت (تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے)

(۳) آئینۂ انقلاب (ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے)

(۴) معراجِ نفس (خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال)

(۵) قرآن کی کہانی (قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سُن لو)

(۶) جنابِ سیّدہ (رکھیے کتابِ سیرتِ زہرؑا نگاہ میں)

(۷) جنابِ فاطمہ بنت اسدؑ (زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حُسنِ شرف ہے)

(۸) عزاداریِ حسینؑ (انساں کے آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ)

(۹) شاعرِ دربارِ حسینؑ (میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں)

(۱۰) فریاد (اے جبرئیلؑ نظرِ مدینہ دکھا مجھے)

(۱۱) مولانا محمد مصطفیٰؒ جوہر (منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام مراثی قیصر بارہوی کی بصیرت و بصارت کے مظا ہیں اور جب بھی بیسویں صدی کی مرثیے میں تاریخ لکھی جائے گی تو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ کتاب معتبر قرار پائے گی۔ اس کتاب کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر مظفر عباس کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

◆ ڈاکٹر مظفر عباس

"

کسی شاعر کا مصرعہ:

ع جہاں انیس، وہاں مرثیہ، وہیں اُردو

قیصر بارہوی اردو کے رثائی ادب میں روایت انیس کے امین ہیں۔ روایت انیس اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی۔ قیصر بارہوی نے ان دونوں پہلوؤں کو ہمارے دور میں زندہ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور اس میں وہ یقیناً کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے روحِ عصر کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جہاں مرثیہ نگاری کی روایت میں جدت کی راہیں نکالیں وہاں مرثیہ خوانی کی روایت کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق زندہ رکھا۔ اسی لیے وہ ہمارے دور کے مرثیہ نگاروں کی صفِ اول میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ہمارے ان نوجوان لکھنے والوں میں شامل ہیں جن کے قلم میں ٹھہراؤ، فکر میں گہرائی اور رائے میں وزن ہے۔اس سے پیشتر ان کی کئی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں اور نقادان ادب کی داد و تحسین کی مستحق ٹھہری ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے روایت انیس کے اس اہم اور جدید مرثیہ نگار و مرثیہ خواں کی غیر مطبوعہ تخلیقات کو منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ قیصر بارہوی کے گیارہ غیر مطبوعہ مرثیوں پر مشتمل ہے جسے ''معتبر مرثیے'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

''معتبر مرثیے'' کی ترتیب و تدوین میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کا کام انتہائی وقیع ہے۔انہوں نے بڑے عرق ریزی سے قیصر بارہوی کے فن کے بارے میں ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو خاصے کی چیز ہے۔ مجھے امید ہے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی موجودہ کاوش کو قارئین ادب عموماً اور نقادان ادب خصوصاً پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ادبی حلقوں میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

"——

(۱۴)

العطش (جلد سوم)

(وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مرتبہ کتاب ''العطش'' جلد سوم ایک معتبر دستاویز ہے۔جس میں جدید مختصر مرثیہ نگار سید وحید الحسن ہاشمی کے آٹھ مرثیے شامل

ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں الحبیب پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔ یہ کتاب ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا انتساب اُن مرثیہ نگاروں کے نام کیا گیا ہے جو اپنے خونِ جگر سے کشتِ مرثیہ کی آبیاری کر رہے ہیں۔

اس کتاب کو تین بنیادی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا طویل و بسیط مقدمہ ہے جس میں وحید الحسن ہاشمی کے مراثی کی فہرست، سنِ تخلیق اور بندوں کی تعداد رقم کی گئی ہے۔ اس میں وحید الحسن کے فنِ مرثیہ نگاری پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں سید وحید الحسن ہاشمی کے آٹھ معتبر مرثیے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا تیسرا حصہ فکر و فن کے نام سے ہے۔ اس حصے میں انتظار حسین (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے کا فن)، ڈاکٹر سلیم اختر (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیے) او ڈاکٹر حسن رضوی (وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں احساسِ تحیر) نے سید وحید الحسن ہاشمی کے فن اور فکر کے حوالے فکر انگیز مضمون قلم بند کیے ہیں۔

'العطش' (جلد سوم) میں سید وحید الحسن ہاشمی کے درج ذیل مرثیے شامل ہیں

۱۔ ادب اور ادیب (شاملِ حلقۂ اربابِ تمنا ہے ادیب)

۲۔ احتساب (دل حیات کا شفاف آئینہ ہے گل)

۳۔ قوم و قومیت (تعارفِ شرفِ ذات عینِ فطرت ہے)

۴۔ کربلا کربلا (دل کا آئینہ مکدر ہے جگر زخمی ہے)

۵۔ کشمکش (کشمکش ذہن کی اُلجھی ہوئی قوت کا ہے نام)

۶۔ قیادت (جس طرف دیکھیے دُنیا میں عجب ہلچل ہے)

۷۔ حقیقتِ موت (موت کو ظلم و ستم کی داستاں کہتے ہیں لوگ)

۸۔ جوہرِ تقویٰ (آثارِ حرفِ کُن کی کہانی عجیب ہے)

یہ کتاب اردو مرثیہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مفید ہے۔ ہمارے موقف کی تائید معروف تخلیق کار پروفیسر احمد عقیل روبی کی فلیپ پر دی گئی رائے سے ہوگی:

◆ **احمد عقیل روبی**

"

سید وحید الحسن ہاشمی صاحب بلاشبہ مرثیے کی اس عظیم شعری اور تہذیبی روایت کے امین و محافظ ہیں جسے میر انیس نے خونِ جگر دے کر شعری عظمتوں سے روشناس کرایا۔ وحید صاحب نے اس روایت کو کم نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے گرداگرد فکری، عصری اور شعری اسلوب کے حاشیے لگا کر اس کے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے وحید صاحب کے یہ گیارہ مرثیے مرتب کر کے عہد حاضر اور مستقبل کے قارئین کو العطش (جلد سوم) کی شکل میں ایک ایسا چشمۂ سخن دے دیا ہے جس سے وہ اپنی علمی، فکری اور شعری پیاس بجھاتے رہیں گے۔

"

(۱۵)

باقیاتِ آلِ رضا

(آل رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی معروف تحقیقی کتاب "باقیاتِ آلِ رضا۔ غیر مطبوعہ کلام کی تدوین" جون ۲۰۰۰ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ ۲۸۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو الحسن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ اس کتاب کو فخرِ قوم سید

ہاشم رضا اور محترمہ رعنا زیدی صاحبہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔

"باقیاتِ آلِ رضا" کے دو بنیادی حصے ہیں۔ پہلا حصہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے طویل مقدمے پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے آلِ رضا کے سوانحی حالات، سیرت و کردار، ادبی ماحول، مطبوعہ تصانیف کا محاکمہ، غیر مطبوعہ کلام کا بھرپور تعارف، تدوین کے اصول، آلِ رضا کے کلام کی تدوین کے مختلف مراحل اور آلِ رضا کی پسندیدہ تمام اصناف پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔"باقیاتِ آلِ رضا" کے دوسرے حصے میں آلِ رضا کے غیر مدون کلام کی تدوین صنف وار کی گئی ہے۔اس کتاب میں آلِ رضا کی دو حمدیں، پانچ نعتیں، چونتیس منقبتیں، انچاس سلام، ایک نوحہ، اڑتالیس غزلیں، چودہ نظمیں، چھپن قطعات، چوہتر رباعیات، تین شخصی مرثیے اور آٹھ فردیات شامل ہیں۔ضمیمہ کے عنوان سے نو دریافت کلام، متروک کلام، الحاقی کلام اور عکسِ تحریر بھی کتاب میں شامل ہیں۔ اسی طرح آلِ رضا کی غزلوں کے دونوں مجموعوں "نوائے رضا" اور "غزل معلیٰ" کے اشاریہ بھی پیش کیے گئے ہیں۔آخر میں ماخذ کے عنوان سے ان تمام ذرائع کو پیش کیا گیا ہے جنھوں نے اس کتاب کو وقیع بنایا۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ کتاب اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے انتہائی قابلِ قدر اور لائقِ صد تحسین ہے۔انہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ حواشی کے ذریعہ اپنا مقدمہ تحریر کیا ہے جو آلِ رضا کے فکر و فن کے حوالے سے خاصے کی چیز ہے۔انہوں نے متن کی تدوین کرتے ہوئے اختلافِ متن کے تمام مراحل کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ "باقیاتِ آلِ رضا" کلام کی تدوین کے لیے ایک اہم، مستند اور رہنما دستاویز ہے جس سے نو آموز محققین بیش از بیش فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی کی فلیپ پر دی گئی رائے ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

"____

سید آلِ رضا مرحوم، لکھنوی اندازِ شاعری کے آخری بڑے شاعر تھے۔ زبان و بیان کی خوب صورتی، محاورے اور روزمرہ کے برمحل استعمال اور روایتی سانچوں کو انہوں نے جس مہارت اور ندرت کے ساتھ پیش کیا ہے اس سے لکھنوی روایت کے ساتھ ان کے ربطِ خاص کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے کلام کا بہت تھوڑا حصہ شائع ہوا۔ غزل اور مرثیوں کے دواوین کی اشاعت سے ان کا شعری رتبہ متعین ہوا۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا، اور کچھ کلام ان کی بیاضوں میں دفن تھا جسے اب طویل عرصے کے بعد طباعت کی روشنی نصیب ہوئی ہے۔

آلِ رضا خوش نصیب شعرا میں ہیں جنہیں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن جیسا مخلص نقاد ملا ہے، جو اپنے اجداد کی روایت کا پاسدار ہی نہیں بلکہ اس کا بہت بڑا مبلغ بھی ہے۔ شبیہ الحسن کے والد سید وحید الحسن صاحب آلِ رضا کے حلقۂ شاگردی میں شامل تھے، اس سے شبیہ الحسن نے ضروری جانا کہ آبائی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے بزرگوں کی متاعِ بے بہا کو قارئین تک پہنچانا چاہیے۔ یہ ایک کٹھن کام تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دس برس کی مسلسل محنت سے اخبارات، رسائل اور بیاضوں سے ریزہ ریزہ کلام جمع کیا اور اس طرح آلِ رضا کے کلام کی باقیات یکجا ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام میں تدوین کے جدید اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اور جا بجا حوالوں اور حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ آج کل تدوینِ متن کا کام اردو کے محققین کے بس کا نہیں رہا کہ اکثر

نقادعلم عروض میں پیدل ہیں اور تدوین متن میں عجیب وغریب غلطیاں کرتے ہیں۔ شاعری شبیہ الحسن کے گہوارۂ تربیت کا حصہ ہے اس لئے یہ متن صحت کے اعتبار سے کئی معاصرین کے کام سے بازی لے گیا ہے۔ انہوں نے محض ایک مرحوم شاعر کے کلام ہی کو یکجا نہیں کیا بلکہ لکھنوی روایت کے اس آخری زمانے کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔ اب آل رضا کے شعری مرتبے کے تعین میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس اہم علمی کام پر میں عزیز موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

"____

(۱۶)

جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی

(سیف زلفی کی شخصیت وفن)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تحقیقی وتنقیدی مرتبہ کتاب "جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی" ۲۰۰۰ء میں الحسن پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ یہ کتاب سیف زلفی کی اہلیہ، بیٹوں اور بیٹیوں کے نام معنون کی گئی ہے۔

"جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی" میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ۶۰ صفحات کو محیط ایک طویل مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں سیف زلفی کے سوانحی حالات، تصانیف اور علمی وادبی خدمات کا بھرپور تعارف کرایا ہے۔ اس کتاب کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف النوع عنوانات کے تحت تقسیم کیا۔ پہلا عنوان مقدمہ ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے سیف زلفی کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ "تعارف" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب

نے سیف زلفی کے سوانحی حالات نکات کی صورت میں اُجاگر کیے ہیں۔ ''ادبی خدمات'' کے عنوان سے ڈاکٹر شبیہ الحسن نے حلقہ اہل قلم اور لاہور سے نکلنے والے معتبر رسالے گلفشاں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ شخصیت کے عنوان سے میرزا ادیب، ڈاکٹر آغا سہیل، اسرار زیدی، ڈاکٹر اجمل نیازی، حفیظ الرحمٰن سحابی، سلیم شاہد، سرفراز سید، بیدار سرمدی، کرامت بخاری، نثار اکبر آبادی اور گلزار بخاری کے مضامین شامل ہیں۔ گفتگو کے عنوان سے آغا سلمان باقر، تنویر ظہور اور صفدر شاہد کی سیف زلفی سے بات چیت شامل ہے۔ غزل کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا، جیلانی کامران، ڈاکٹر مظفر عباس، ڈاکٹر سعادت سعید، ڈاکٹر ناہید شاہد، ڈاکٹر طارق عزیز، اظہر غوری، ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری، عبدالجبار لطفی، رانا غلام شبیر، غضنفر علی ندیم، ناصر چوہدری اور طارق سلیمی کے وقیع مضامین شامل ہیں۔ نعت کے عنوان سے رئیس امروہوی، احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب اور ڈاکٹر آغا سہیل کے بلند پایہ مضامین شامل ہیں۔ نظم کے عنوان سے ظہیر کاشمیری، ڈاکٹر سعادت سعید، ظفر الحق چشتی اور محمد رفیق بلوچ کے منفرد مضامین شامل ہیں۔ مرثیہ کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی کا ایک وقیع مضمون شامل ہے۔ سلام کے عنوان سے ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی کا مضمون شامل ہے۔ دوہے کے عنوان سے عفت حسن کا مضمون شامل ہے۔ خراج تحسین کے عنوان سے سید وحید الحسن ہاشمی، ظہور حیدر جارچوی، حسن عسکری کاظمی، زرودش ترابی، راحت نقوی، ڈاکٹر اقبال سرہندی، گلزار بخاری، مسعود ظفر اور ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی منظومات شامل ہیں۔ چند نادر خطوط کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی، جیلانی کامران، ڈاکٹر سہیل احمد خاں اور مرتضیٰ برلاس کے خطوط شامل ہیں۔ انتخاب کلام کے عنوان سے سیف زلفی کی نعتیں، غزلیں، نظمیں، دوہے اور سلام شامل ہیں۔ حاصل مطالعہ کے عنوان سے آخر میں اختر حسین شیخ کا ایک

طویل مضمون سیف زلفی کی شخصیت اور فن پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کو اس فہرست سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے کتنی محبت اور محنت سے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی اُردو شاعری کے مطالعے کے لیے یہ کتاب ایک اہم دستاویز ثابت ہوگی۔ اس کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر وحید قریشی کی رائے ہمارے موقف کی تائید کے لیے کافی ہے۔

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

"________

سیف زلفی ہمارے ان اہم شعراء میں سے ہیں جن کی زندگی میں وہ قدر نہیں ہوئی جو ہونی چاہیے تھی۔ ان کی زندگی میں ان کے کئی مجموعے چھپے۔ رثائی شاعری میں انہوں نے مرثیہ کو ایک نیا لہجہ دینے کی کامیاب کوشش کی۔ حمد و نعت میں بھی انہوں نے محض دینی روایت کی تکمیل نہیں کی بلکہ انہوں نے ایک شاعر کی حیثیت سے ڈوب کر لکھا ہے۔ انہوں نے نظمیں اور دوہے بھی لکھے اور قومی نغمے بھی تخلیق کیے جس سے ان کی شناخت سامنے آتی ہے۔ وہ دراصل مزاج کے اعتبار سے غزل کے آدمی تھے۔ انہوں نے غزل میں فکر و احساس کی مختلف جہتوں کو بڑی ہنر مندی سے پیش کیا۔ وہ اپنا پورا کلام تو مدون نہ کر سکے لیکن مطبوعہ تخلیقات سے ان کا مرتبہ متعین ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے سیف زلفی کے بنیادی لہجے کی تلاش میں یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ ابتدائی ڈیڑھ سو صفحات میں ڈاکٹر شبیہ الحسن نے سیف زلفی کے جدید لہجے کو اُجاگر کرنے میں بڑی ہنر مندی کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے محض دوسروں کے مقالات کو جمع

نہیں کیا بلکہ ان کی موضوع وار شیرازہ بندی کر کے سیف زلفی کی تفہیم کا راستہ صاف کیا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی یہ ضخیم کتاب اس لئے بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس میں سیف زلفی پہلی مرتبہ صحیح تناظر میں سامنے آئے ہیں۔ سیف زلفی کی شخصیت اور فن پر یہ مجموعہ ایک اہم اضافہ ہے۔

"ــــــ

(۱۷)

اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار

(تحقیقی و تنقیدی مضامین)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے معرکتہ الآرا تحقیقی و تنقیدی مقالات کا تیسرا مجموعہ ''اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار'' کے عنوان سے ۲۰۰۴ء میں اظہار سنز لاہور نے شائع کیا۔ تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب دو معروف ناقدین ڈاکٹر عبادت بریلوی اور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے نام انتساب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن اس کتاب کے تخلیقی جواز کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ــــــ"

اگر آپ کے ذہن میں اس کتاب کے بارے میں یہ تصور موجود ہے کہ اس میں اُردو مرثیے کے محاسن، تاریخ، ارتقائی سفر کے روداد اور تمام معروف و غیر معروف مرثیہ نگاروں کے کوائف یکجا کئے گئے ہوں گے تو میں آغاز ہی میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اس کتاب میں صنف مرثیہ اور مرثیہ نگاروں کو ایک نئے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ اُردو مرثیے کی تاریخ اور مرثیہ

نگاروں کے سطحی کوائف جمع کرنے کا عمل کافی ہو چکا ہے۔اب ہمیں
صنف مرثیہ اور مرثیہ گو شعرا کو ایک مختلف سطح پر جانچنے اور پرکھنے کی
ضرورت ہے اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا جواز ہے۔

"_____

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ کتاب نظری اور عملی آٹھ مضامین پر مشتمل ہے۔نظری مضامین میں مرثیے اور ڈرامے کی مماثلتیں اور مرثیے اور قصیدے کی مشترک جہتوں کا جائزہ شامل ہیں۔ان مضامین میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے مرثیے کا موازنہ و تقابل دو معروف اصناف سے کر کے ثابت کیا ہے کہ مرثیہ اپنے مزاج اور نوعیت کے باعث دونوں اصناف سے منفرد اور مختلف ہے۔عملی مضامین میں معروف مرثیہ نگاروں مرزا دبیر، آل رضا، نسیم امروہوی، قیصر بارہوی، سید وحید الحسن ہاشمی اور سیف زلفی کے حوالے سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے شعوری کوشش کی ہے کہ وہ پامال موضوعات سے بچتے ہوئے ان مرثیہ نگاروں کے نئے رُخوں کو اُجاگر کریں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن تحقیقی اور تنقیدی مزاج کے حامل ہیں۔یہی سبب ہے کہ وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے مختلف محققین اور ناقدین کی آرا کا سہارا بھی لیتے ہیں اور بسا اوقات ان کے نظریات سے اختلاف کی صورت بھی نکالتے ہیں۔اس کتاب میں شامل چار سو سے زیادہ حواشی ان کی علمی بصیرت و بصارت پر دلالت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن عصر حاضر میں مرثیے کے معروف نقاد ہیں۔کلاسیکی مرثیے کے ساتھ ساتھ جدید مرثیے پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔یہی سبب ہے کہ جہاں وہ ایک جانب دبیر جیسے کلاسیکی مرثیہ نگار پر خامہ فرسائی کرتے ہیں وہاں دوسری طرف وہ سیف

زلفی جیسے جدید مرثیہ نگار کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہیں۔ ایک صاحبِ طرز نقاد ہونے کے باعث ان کا اسلوب استدلالی ہوتا ہے تاہم اپنی اثر آفرینی کے باعث وہ قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اُردو مرثیے کی تاریخ اور تنقید میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کتاب ''اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار'' حرفِ معتبر کا درجہ رکھتی ہے اور بیسویں صدی میں مرثیے کی تاریخ لکھنے والے مورّخ کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں معروف دانش ور شہزاد احمد رقمطراز ہیں:

◆ شہزاد احمد

''ــــــ

یوں تو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ادب کی کئی جہات میں کام کیا ہے مگر ان کا محبوب موضوع مرثیہ ہے اور پھر اسی حوالے سے مرثیہ نگار بھی۔ مرثیے سے ان کا یہ لگاؤ صرف ادب کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں دنیا بھر کے موضوع شامل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ مرثیے میں صرف مصائب ہی بیان کیے جائیں، مرثیے کی یہ تو جیہ انسان کی پوری زندگی کا احاطہ بھی کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے مرثیے کے سلسلے کے بہت سے موضوعات پر بحث کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ کتاب جدید اور کلاسیکی مرثیے پر ایک جامع کتاب ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد آپ اگر چاہیں تو کسی بھی موضوع کا مطالعہ اپنے ذوق کے مطابق تفصیلی طور پر کر سکتے ہیں چنانچہ یہ کتاب مرثیے کا ایک تعارف بھی ہے، مرثیے پر تنقید بھی ہے اور ان امکانات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو مستقبل قریب میں رونما ہونے والے ہیں۔

''ــــــ

(۱۸)

تصریحات

(تحقیقی وتنقیدی مضامین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے مضامین کا چوتھا مجموعہ ''تصریحات'' ۲۰۰۵ء میں الحسن پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کا انتساب ایک علم دوست شخصیت شیخ کامران مہدی کے نام کیا گیا ہے۔

''تصریحات'' میں مختلف شخصیات پر چودہ مضامین شامل ہیں۔ جدید رجحانات کے حامل شعراء اور ادباء کے بارے میں ''تصریحات'' میں شامل مضامین اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور لائق توجہ ہیں۔ ''صرف ایک بات'' کے عنوان سے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس کتاب کے تخلیقی جواز پر بہت خوبصورت رائے دی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

''______

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہی تخلیق کار شہرت عام او بقائے دوام کے دربار میں جگہ پانے کے اہل ہوتے ہیں جو اپنی تخلیقات میں معاشرے کے کسی اہم مسئلے کو موضوع بناتے ہیں۔ اگر کسی تخلیق میں عصری حسیت موجود نہیں ہوتی تو وہ اہلِ بصیرت کی نگاہ میں قابلِ قدر اور لائق ستائش قرار نہیں پاتی۔ آج کے معتبر نقاد اور محقق کے لیے ضروری ہے کہ ایک جانب جہاں وہ میر و غالب اور میر امن و مرزا رسوا کی تخلیقات سے استفادہ کرے وہاں دوسری سمت اسے عصری

رجحانات ومیلانات کے حامل شعرا اور نثر نگاروں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور ان کی تخلیقات کی عصری حسیت سے معاشرے کو فیض یاب کرنا چاہئے۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ کلاسیکی شعروادب کے ساتھ ساتھ جدید رجحانات کے علمبردار ادب کا مطالعہ بھی ہر ذی ہوش ناقد کے لیے ضروری ہے۔ ''تصریحات'' کی تخلیق اور اشاعت کا یہی جواز ہے۔

''——

''تصریحات'' میں درج ذیل پندرہ مضامین شامل ہیں:

۱) آغا سہیل کی ادبی جہتیں

۲) ادب کا مسیحا۔ طاہر تونسوی

۳) ایک مانوس اجنبی۔ اشفاق حسین

۴) نسیم سید کی مکمل گواہی

۵) ڈاکٹر طارق عزیز اور خواب آگہی

۶) کچھ ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری کے بارے میں

۷) اختر ہاشمی کا شعری منظر نامہ

۸) سید وصی الحسن نقاش کی شاعری

۹) ڈاکٹر محمد صالح طاہر کے مضامین

۱۰) شکیل جاذب کی شعری کھنک

۱۱) بے حس معاشرے میں آفتاب کاوش کا تحفۂ احساس

۱۲) جاوید صدیق بھٹی کا شعری سفر نامہ

۱۳) ایک دردمند دل رکھنے والا شاعر۔ ضیاالرحمٰن فاروقی

۱۴) تلوار اور قلم کی حرمت کا امین ۔ خالد محمود امر

۱۵) فطرت شناس شاعر ۔ اختر حسین سندھو

آپ کو ان مضامین کے عنوانات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ متنوع مضامین ہمارے عہد کے نامور نثر نگاروں اور شاعروں کے بارے میں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آغا سہیل سے لے کر اختر حسین سندھو تک تمام تخلیق کار اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے منفرد، یگانہ اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ تنوع ایک جانب تو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے وسیع المطالعہ ہونے کی دلیل ہے اور دوسری جانب یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ادب میں کسی گروہ بندی کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ ہر اس تخلیق کار کی ادبی توقیر کرتے ہیں جس نے ادب کے سرمائے میں کسی بھی سطح پر معتبر اضافہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی محل نظر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جہاں ایک طرف ڈاکٹر آغا سہیل جیسے مشاق ادیب پر خامہ فرسائی کی ہے وہاں دوسری جانب انہوں نے اختر حسین سندھو جیسے نوخیز شاعر کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب ادب میں قدیم اور جدید دونوں طرح کے رجحانات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

تصریحات کا اسلوب واضح، منطقی اور جچا تلا ہے۔ وہ انتہائی سادگی سے اپنے ممدوحین کے کمالات بیان کرتے ہیں اور ان کا یہ طرز عمل انہیں عصر حاضر کے نامور ناقدین میں شامل کر دیتا ہے۔ تصریحات کا مطالعہ ایک جانب تو ہمیں جدید ادب سے متعارف کرانے کا وسیلہ ہے اور دوسری جانب یہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے علمی کمالات کا بے مثال مظہر بھی ہے۔ تصریحات کے فلیپ پر عصر حاضر کے نامور نقاد اور محقق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

◆ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

"___

گزشتہ ربع صدی میں نمایاں ہونے والے محققین وناقدین ادب میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ وسیع المطالعہ اور کثیر الجہات شخص ہیں۔ ایک علمی وادبی خانوادے کے لائق فرزند ہیں اور مختلف النوع موضوعات پر قابلِ قدر تصنیفی وتنقیدی سرمایہ فراہم کر چکے ہیں۔ ان کی تازہ ترین تنقیدی تصنیف تصریحات ہمعصر اہلِ قلم کے ادبی کارناموں کو متعارف کرانے کے لیے ایک بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ معاصرین کے بارے میں اظہار خیال آسان کام نہیں مگر ڈاکٹر صاحب اس سے بخوبی عہدہ برا ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں تصریحات کے مضامین دورِ حاضر کے نوجوان اہلِ قلم پر مزید تحقیق وتنقید کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کو بھی ادبی حلقوں میں اسی طرح پذیرائی حاصل ہوگی جو ان کی دیگر تصانیف کو اس سے قبل حاصل ہو چکی ہے۔

___"

(۱۹)

مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی

(تحقیق وتنقید)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی معروف تحقیقی کتاب "مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی۔ تحقیق وتنقید" ۲۰۰۵ء میں زیورِ طبع آراستہ ہوئی۔ ۲۲۴

صفحے پر مشتمل اس کتاب کو الحسن پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ اس کتاب کو سیدہ اخلاص فاطمہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ شروع میں "ایک بات" کے نام سے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اپنے گراں قدر معروضات پیش کیے ہیں اور اس کتاب کے شائع کرنے کی ضرورت بیان کی ہے۔ سب سے پہلے اُن کا موقف سُن لیجیے:

"——

عصرِ حاضر میں سید وحید الحسن ہاشمی کا شمار ان کاملین فن میں ہوتا ہے جنہوں نے اُردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ ان کا ادبی دائرہ عمل انتہائی وسیع ہے تاہم برصغیر پاک و ہند میں سر دست عزائی ادب میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے۔ انہوں نے نوحہ، سلام، منقبت اور مرثیے جیسی اصناف سخن کو نہ صرف اپنے زرخیز افکار عالیات سے مالا مال کیا ہے بلکہ اپنے تنقیدی مقالات کے ذریعہ ان اصناف کی ادبی حیثیت کو اہلِ دانش و بینش سے تسلیم بھی کروایا۔ اس کتاب میں سید وحید الحسن ہاشمی کی صرف ایک جہت یعنی مرثیہ نگاری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی دیگر اصناف کے حوالے سے بھی "وحید شناسی" کا حق ادا کرنے کی سعی کی جائے گی۔

——"

اس کتاب کے پہلے حصے میں چار ابواب شامل ہیں اور دوسرے حصے میں تین مرثیے مع تبصرہ پیش کیے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں باب اوّل میں سید وحید الحسن ہاشمی کے سوانحی حالات اور تصانیف کا مفصل ذکر ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ہاشمی صاحب کی

زندگی کے ارتقائی سفر کو بیان کیا ہے اور اُن کی تصانیف کا مفصل تعارف کرایا ہے۔ دوسرا باب سید وحید الحسن ہاشمی کے فکر وفن پر لکھی گئیں تخلیقات کے عنوان سے ہے۔ اس میں برصغیر پاک وہند کے نامور تخلیق کاروں، محققین، ناقدین اور دانشوروں کی ہاشمی صاحب کے حوالے سے گراں قدر آراء پیش کی گئی ہیں۔ اس باب کے ذریعہ ہاشمی صاحب کے علوم وفنون کے بارے میں صاحبانِ بصیرت کی آراء سے آگاہی ملتی ہے۔ تیسرا باب ''سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ'' کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کلیدی باب اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں ہاشمی صاحب کے فن کا بہت خوبصورت تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا باب ''مختصر مرثیہ اور سید وحید الحسن ہاشمی کی مرثیہ نگاری'' کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے انتہائی مہارت اور استدلال سے ہاشمی صاحب کو جدید مختصر مرثیے کا بانی قرار دیا ہے۔ یہی باب اس کتاب کا کلیدی، اہم او رمستند باب قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوسرا حصہ انتخاب مراثی پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں وحید الحسن ہاشمی کے تین مرثیے زندگی، بچپن اور کشمکش شامل کیے گئے ہیں۔ ان مرثیوں پر بالترتیب ڈاکٹر خیال امروہوی، ڈاکٹر تقی صدائی اور ڈاکٹر سلیم اختر کے گراں قدر تبصرے بھی شامل ہیں۔ اس باب کے ذریعہ وحید الحسن ہاشمی کی تفہیم عام قارئین کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے ہمارے موقف کی تائید کرے گی:

◆ **ڈاکٹر سلیم اختر**

''

میں جب ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو دیکھتا ہوں تو مجھے ''باپ پر پوت'' والی ضرب المثل یاد آتی ہے۔ نیک باپ کا نیک اطوار فرزند۔

باپ نے مرثیہ نگاری میں نام پیدا کیا اور وحید العصر کا خطاب پایا جبکہ بیٹے نے مرثیے کی تحقیق و تنقید سے امتیاز پایا۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تازہ تالیف ''مختصر مرثیہ کی روایت اور سید وحید الحسن ہاشمی'' اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ اس میں سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت کے مطالعہ کے ساتھ بطور مرثیہ نگار ان کے فن کا تجزیاتی مطالعہ بھی کیا گیا ہے مگر اس انداز اور اسلوب میں کہ مرثیہ کے فن سے وابستہ تحقیقی امور اور فنی جزئیات کا بھی احاطہ ہوگیا ہے۔ مرثیہ سے سنجیدہ دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لیے اس کتاب کا مطالعہ باعث افادہ ہوگا۔

"____

(۲۰)

العطش

(سید وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں کا کلیات)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی معرکۃ الآرا مرتبہ کتاب ''العطش'' سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس جدید مختصر مرثیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۵ء میں الحسن پبلی کیشنز کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انتساب شیخ مبارک علی، ثریا بیگم، سید ابوالحسن نقوی اور سیدہ اخلاص فاطمہ کے نام کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز میں ہے اور انتہائی دیدہ زیب کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ۶۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

''العطش'' کا مقدمہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے انتہائی محنت اور مہارت سے تحریر کیا ہے۔ ایک سو سے زیادہ حواشی سے مزین یہ مقدمہ تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقدمہ میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے سید وحید الحسن ہاشمی کے سوانحی حالات، ادبی

ماحول اور شعری ارتقا پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ مرتب نے سائینٹفک انداز میں ہاشمی صاحب کے چالیس مرثیوں کا ابتدا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور بعد میں تمام مرثیوں کا فکری وفنی تجزیہ کیا ہے۔ آخر میں انہوں نے جدید مختصر مرثیے کی روایت میں ہاشمی صاحب کے مقام ومرتبے کا تعین کیا ہے۔

العطش کے دوسرے حصے میں مختلف موضوعات پر لکھے گئے سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کی صحتِ متن کے ساتھ تدوین کی گئی ہے اور ہر مرثیہ پر کسی معتبر اور نامور محقق، نقاد اور دانشور کی گراں قدر رائے شامل ہے۔ ذیل میں آپ مرثیے کی فہرست اور مبصر کا نام ملاحظہ فرمایئے اور مرتب کی ہنرمندی کی داد دیجئے۔

۱) ناموسِ وفا	ڈاکٹر میمونہ انصاری
۲) خونِ تبسم	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
۳) شبِ عاشور	ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی
۴) خلقِ حسنؑ	سید سجاد رضوی
۵) حسینؑ اور قربانی	پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی
۶) زندگی	ڈاکٹر خیال امروہوی
۷) صبر	پروفیسر عتیق احمد
۸) سفیرِ آلِ محمدؐ	ڈاکٹر اجمل نیازی
۹) ملیکۃ العرب	ڈاکٹر آغا سہیل
۱۰) زنجیرِ سفر	ڈاکٹر سہیل احمد خاں
۱۱) سرکارِ وفا	ڈاکٹر عبید اللہ خان
۱۲) اسوۂ بتولؑ	ڈاکٹر محمد صالح طاہر

۱۳) پردہ	ڈاکٹر ہارون قادر
۱۴) آرزوئے علی	پروفیسر مشکور حسین یاد
۱۵) انا اور خودداری	ڈاکٹر معراج نیّر زیدی
۱۶) بچپن	ڈاکٹر نیّر صمدانی
۱۷) جوہرِ وراثت	ڈاکٹر نواز حسن زیدی
۱۸) آقائے ابوالقاسم خوئی	پروفیسر باقر علی شاہ
۱۹) شباب	ڈاکٹر ریاض قدیر
۲۰) معرفتِ ذات	ڈاکٹر ضیاالحسن
۲۱) جوہرِ تقویٰ	شاہد نقوی
۲۲) پیری	ڈاکٹر عارف ثاقب
۲۳) شخص و شخصیت	ڈاکٹر طارق عزیز
۲۴) کشمکش	ڈاکٹر سلیم اختر
۲۵) کربلا کربلا	پروفیسر ظفر چشتی
۲۶) ادب اور ادیب	ڈاکٹر عبدالکریم خالد
۲۷) حقیقتِ موت	پروفیسر حسن عسکری کاظمی
۲۸) قوم و قومیت	پروفیسر سجاد حارث
۲۹) قیادت	ڈاکٹر نصیر عالم زیدی
۳۰) احتساب	ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری
۳۱) احساس	ڈاکٹر سحر انصاری
۳۲) آئین	ڈاکٹر طاہر تونسوی

۳۳) احتجاج	ڈاکٹر ناہید شاہد
۳۴) زمانہ	ڈاکٹر انور سدید
۳۵) ارتقا	شہزاد احمد
۳۶) اعتماد	ڈاکٹر کنول فیروز
۳۷) ماحول	ڈاکٹر ہلال نقوی
۳۸) جلوۂ سخن	امجد اسلام امجد
۳۹) جارحیت	ڈاکٹر مرغوب حسین طاہر
۴۰) جانِ شہادت	ڈاکٹر ناصر بلوچ

''العطش'' کے مرتب نے اس کتاب کو درج ذیل چند ایسی خصوصیات سے ہمکنار کردیا ہے جس کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے کم ہے۔

ا) اُردو مرثیے کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شاعر کے چالیس مرثیے ایک جلد میں شائع ہوئے ہیں۔

ب) اُردو مرثیے کی تاریخ میں سید وحید الحسن ہاشمی وہ پہلے مرثیہ نگار ہیں جن کی شخصیت اور فکروفن پر تینتالیس ہم عصر ناقدین اور دانش وروں کی آرا یکجا ہوں۔

ج) اُردو مرثیے کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مرثیے کی کتاب اتنے خوبصورت اور دیدہ زیب انداز سے شائع ہوئی ہے۔

د) اُردو مرثیے کی تاریخ میں پہلی مرتبہ چالیس موضوعاتی مرثیے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ موضوعاتی تنوع بھی اُردو مرثیے میں ایک نادر اضافہ ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا وصف یہ ہے کہ وہ انتہائی ہنرمندی سے تخلیقات کو یکجا کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کی تہذیب و اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ العطش کے بارے میں دو معروف ناقدین ڈاکٹر وحید قریشی اور احمد ندیم قاسمی کے گراں قدر خیالات ملاحظہ فرمائیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ''العطش'' شائع نہ ہوتی تو اُردو مرثیہ ایک بیش قیمت دستاویز سے محروم رہ جاتا۔

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

''ــــــ

سید وحید الحسن ہاشمی ایک وسیع المطالعہ سکالر ہیں۔ انہوں نے مرثیے کے فن کو قدیم مرثیہ نگاروں کے وسیلے سے جانا اور پہچانا ہے، تاہم انہوں نے اپنے مرثیوں میں جدید دور کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا ہے اور مرثیے کے فن کو کہیں بھی ڈھیلا ڈھالا نہیں ہونے دیا۔ وہ میدان جسے بے شمار مرثیہ نگاروں نے پامال کر دیا تھا، ہاشمی صاحب نے اپنے تخلیقی جوہر سے اس میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ بلاشبہ عصرِ حاضر میں ان کے پائے کو کوئی مرثیہ نگار مشکل ہی سے ملے گا۔

''العطش'' سید وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا گراں قدر کلیات ہے جسے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے بڑی مہارت، سلیقہ اور محبت سے ترتیب دیا ہے۔ سید وحید الحسن نے ان مرثیوں میں ہمارے عہد کے انسانی اوصاف اور اقدار کو بڑی مہارت سے اُجاگر کیا ہے۔ قدیم شاعروں نے مرثیہ کو آسمانی شے بنا دیا تھا، ہاشمی صاحب نے اس صنف کا رشتہ زمین سے استوار کیا جس میں فرقہ پرستی کی تنگ نظری موجود نہیں ہے۔ ہاشمی صاحب نے ان مرثیوں میں اپنے تخلیقی رجحانات کو بھرپور

انداز میں پیش کر کے اُردو ادب میں ایک نئی اور جاندار مثال قائم کی ہے۔ العطش کے یہ مرثیے جدید مرثیہ نگاری کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"____

◆ احمد ندیم قاسمی

"____

سید وحید الحسن ہاشمی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ مرثیہ گوئی ان کے فن کا خاص میدان ہے اور دیگر متعلقہ اصناف شاعری نعت، سلام اور منقبت میں بھی وہ اپنے عصر کے شعراء میں ایک الگ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بہت کم شعراء نے عقیدے اور فن کو اتنے توازن سے شعر کی صورت دی ہوگی۔ ان کے کلام میں روانی، سلاست اور سادگی مستزاد صفات ہیں۔ ان کا فن جہاں بڑے بڑے اہلِ علم و دانش کی تحسین کا مستحق ہے وہیں عام پڑھا لکھا آدمی بھی ان کے کلام سے دل کی گہرائیوں تک متاثر ہوگا۔

ناقدین ادب نے بجا طور پر کہا ہے کہ انیسؔ و دبیرؔ کے بعد فنِ مرثیہ نگاری کو زوال آ گیا، میں نے ''بجا طور کے'' الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ انیسؔ و دبیرؔ کے بعد سالہا سال تک ان کے پائے کی مرثیہ نگاری کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ بیسویں صدی میں جوش ملیح آبادی، آلِ رضا، نسیم امروہوی اور سید وحید الحسن ہاشمی کے سے مرثیہ نگاروں نے اپنی تخلیقات سے ناقدین ادب کے دعوے کی تنسیخ کر دی ہے۔ مثال کے طور پر ہاشمی صاحب کے کلام کا مطالعہ کیجئے وہ پورے سانحۂ کربلا کو اس کے صحیح سیاق و سباق کے ساتھ مگر دورِ جدید کے طرزِ

احساس کی روشنی میں اتنے کمال سے فن کا پیرایہ عطا کرتے ہیں کہ اُردو میں فنِ مرثیہ نگاری عروج کی ایک نئی سطح کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

"______

(۲۱)

سید وحیدالحسن کی شعری جہتیں

(نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے مطالعہ)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی کتاب "سید وحیدالحسن ہاشمی کی شعری جہتیں۔ نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے" ایک مبسوط تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے۔ ۲۴۰ صفحے کی یہ کتاب دسمبر ۲۰۰۶ء میں الحسن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب کو جناب مرتضیٰ حسین فاضل اور تنظیم غلامانِ آلِ عمران لاہور کے اراکین کے نام معنون کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے شروع میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کی "چھوٹی سی بات" ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں سید وحیدالحسن ہاشمی کے سوانحی کوائف اور اعترافات شامل ہیں۔ اس باب میں ان کے حالاتِ زندگی اور اُن کے فن پر لکھی گئی نامور ادبا اور دانش وروں کی آرا شامل ہیں جن سے وحیدالحسن ہاشمی کے مقام و مرتبہ کا تعین آسان ہو جاتا ہے اور اُن کی ذات کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ دوسرا باب سید وحیدالحسن ہاشمی کے نعتیہ مظاہر کے نام سے ہے۔ اس باب میں وحیدالحسن ہاشمی کے نعت نگاری کے مباحث، دلچسپی کے محرکات، نعتوں کی فہرست نعتیہ مجموعے لیٰسین کا تعارف، نعتیہ محاسن، نعتیہ اسلوب اور اُردو نعت کی تاریخ میں

وحیدالحسن ہاشمی کا مقام و مرتبہ شامل ہیں۔ تیسرا باب سید وحیدالحسن ہاشمی کی منقبت کے حوالے سے ہیں۔ اس میں منقبت بطور صنفِ سخن، منقبت نگاری سے رغبت کے اسباب، مناقب کے مجموعوں کا اجمالی جائزہ، منقبتوں کی فہرست، منقبت نگاری کے محاسن اور تاریخِ منقبت نگاری میں وحیدالحسن ہاشمی کا مقام و مرتبہ شامل ہیں۔ اس طرح ہاشمی صاحب کی تفہیم بطور منقبت نگار آسان ہو جاتی ہے۔ چوتھا باب سید وحیدالحسن ہاشمی کے سلام کے متنوع رُخ کے نام سے کتاب میں شامل ہے۔ اس باب میں انسان کی غم پسندی کی مختلف صورتیں، صنفِ سلام کے مباحث، صنفِ سلام سے دلچسپی، وحیدالحسن ہاشمی کے سلاموں کے مجموعوں کا تعارف اور سلاموں کی فہرست سامنے آتی ہے، سلام کے محاسن اور تاریخ سلام نگاری میں سید وحیدالحسن ہاشمی کا مقام و مرتبہ کا تعین بھی اس باب کی اہمیت میں اضافہ کا سبب ہے۔ اس طرح ہاشمی صاحب بطور سلام نگار معتبر ہو جاتے ہیں۔ پانچواں باب سید وحیدالحسن ہاشمی سے مصاحبہ ہے جس میں نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے ہاشمی صاحب کے جوابات شامل ہیں اور بابِ ششم میں اُن کا منتخب کلام، نعتیں، مناقب اور سلام شامل ہیں۔ اس کتاب کے فلیپ پر ڈاکٹر سہیل احمد خاں کی رائے ہمارے مؤقف کی تائید کرے گی۔

◆ **ڈاکٹر سہیل احمد خاں**

"

ہماری جدید شاعری کا طرزِ احساس جدت اور اُپج کا قائل ہے مگر شاعری کی ایک جہت وہ بھی ہے جس میں شاعر روایت کے دائرے کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اُس کا اطاعت گزار رہتے ہوئے اپنے فن کو، اپنے اُسلوب کو کچھ اس طرح چمکاتا ہے کہ اس

دائرے کے دوسرے شعراء سے ممتاز نظر آنے لگتا ہے۔ سید وحید الحسن
ہاشمی صاحب کی مسلسل شعری ریاضت، شاعرانہ صنعتوں کا شعور، زبان
کے مختلف لہجوں پر عبور، مذہب اور اخلاقیات کو شعری گداز میں ڈھالنے
کا ہنر انہیں اپنے دائرے کا اہم شاعر بناتی ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی نئی تصنیف ''سید وحید الحسن ہاشمی کی
شعری جہتیں'' اس اہم شاعر کا مربوط تنقیدی تعارف ہے۔ چونکہ شبیہ
الحسن، سید وحید الحسن کے صاحبزادے ہیں اور اسی مناسبت سے اُن کے
مزاج شناس ہیں، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ بات گھر کی ہے مگر کتاب
شائع ہوئی ہے تو بات، گھر تک تو نہیں رہے گی۔ توقع ہے کہ یہ کتاب
ہاشمی صاحب کے فن سے ہمارے عہد کے رابطے کے لئے بنیادی
دستاویز ثابت ہوگی۔

''____

(۲۲)

جدیدغزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ

(اسلم کولسری کی شخصیت اور فن)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی مقبول کتاب ''جدید غزل اور اسلم
کولسری کا شعری سرمایہ'' القمر انٹر پرائز لاہور کی جانب سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔
۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب عصر حاضر کے تین نامور ناقدین ڈاکٹر نواز زیدی، ڈاکٹر
عبدالکریم خالد اور ڈاکٹر عباس رضا کے نام انتساب کی گئی ہے۔ اس کتاب کی غرض و
غایت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب ''صرف ایک بات'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"ـــــ

عصرِ حاضر میں یوں تو ہر شاعر اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد اور قابلِ توجہ ہے لیکن اسلم کولسری کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے سرکاری سرپرستی اور عوامی تعلقات کے بغیر مسلسل محنت او رمتواتر ریاضت سے اُردو شعری روایت میں اپنے لیے ایک جداگانہ مقام بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اہم محاسن ہیں جن کے باعث اسلم کولسری جدید غزل میں ممتاز مقام پر فائز ہیں؟ یہی سوال اس کتاب کی تخلیق کا جواز ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس تحقیقی اور تنقیدی کتاب کو درج بالا بارہ رُخوں (ابواب) میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا رُخ : اسلم کولسری کے سوانحی کوائف اور اعترافات

دوسرا رُخ: اسلم کولسری کے شعری سفر کا آغاز "نخلِ جاں"

تیسرا رُخ : اسلم کولسری کے شعری تیقن کا نمائندہ "کاش"

چوتھا رُخ: انسانی دوستی کا مظہر "ویرانہ"

پانچواں رُخ : پرملال اور اُداس کیفیتوں کا اظہار "نیند"

چھٹا رُخ : فلسفیانہ رُخوں کا عکاس "جیون"

ساتواں رُخ: جدید لسانیاتی رویوں کا مظہر "برسات"

آٹھواں رُخ: عصرِ حاضر کے نمائندہ معاملات کا بھرپور اظہار "عنبر"

نواں رُخ: پنجابی کی اوّلین شعری تخلیق "پنچھی"

دسواں رُخ: ترجمے میں تخلیق کے لطف کا مظہر "ایک نظر کافی ہے"

گیارھواں رُخ: اسلم کولسری کا شعری اختصاص

بارھواں رُخ اسلم کولسری کی نمائندہ غزلوں کا انتخاب

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اس کتاب میں اسلم کولسری کی شخصیت اور فن پر اپنے بیش قیمت خیالات پیش کیے ہیں۔ خاص طور پر جدید اُردو غزل میں اسلم کولسری کا مقام متعین کرتے ہوئے اُنھوں نے انتہائی دیدہ ریزی سے بیسویں صدی کی اُردو غزل کا پس منظر اور پیش منظر اپنے سامنے رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اُسلوب بیان استدلالی ہونے کے باوجود پراثر ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اسلم کولسری کی شخصیت اور فن کا ایک مکمل اور مبسوط مطالعہ ہے اور بیسویں صدی کی شاعری کے حوالے سے ایک معتبر اور مستند دستاویز ہے۔ اس کتاب کے فلیپ پر عصرِ حاضر کے نامور نقاد ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔

◆ ڈاکٹر وزیر آغا

"

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک باصلاحیت اور ہوش مند نقاد ہیں، اُنھوں نے اسلم کولسری کے حوالے سے ایک ایسی منفرد کتاب پیش کی ہے جو بیک وقت شاعر کی غزلوں کا خوب صورت انتخاب بھی ہے، اُس کے سوانحی کوائف اور شعری کارکردگی کا بیان بھی اور اُس کے کلام کا تنقیدی جائزہ بھی۔

اسلم کولسری کے ہاں کلاسیکی اسلوب کے بجائے جدید لب و لہجہ اُبھرا ہے جو اُس کے معاصرین کے اسلوبِ شعر سے مختلف ہے۔ اُس کے ہاں اِردگرد کی اشیاء اور مظاہر کو ایک بچے کی سی حیرت سے دیکھنے کا انداز ملتا ہے جو ایک نادر و نایاب عطیہ ہے۔ اُس کے اندر

''بچپن'' پوری طرح آباد ہے اور چونکہ یہ بچپن دیہاتی فضا میں پروان چڑھا ہے، اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُس کی شاعری میں ''بچپن'' اور ''گاؤں'' ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ یہی گاؤں جب شہر کے رُوبرو آیا ہے تو عکسوں کے ایک ایسے سلسلے نے جنم لیا ہے جو اسلم کولسری کی شاعری کی پہچان ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے اپنی اس قابلِ قدر کتاب میں، اسلم کولسری کو متعدد سطحوں پر دریافت کر کے، ایک اہم ادبی خدمت انجام دی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔
''____

(۲۳)

طاہرین

(سید وحید الحسن ہاشمی کی نعتوں، مناقب اور سلام کی تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی معرکتہ الآرا مرتبہ کتاب ''طاہرین'' سید وحید الحسن ہاشمی کی نعتوں، منقبتوں اور سلاموں کا مجموعہ ہے۔ ۶۲۴ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ الحسن پبلی کیشنز نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب شیخ کامران مہدی کے والدین اور سید وحید الحسن ہاشمی کے تین مداحین شیخ محمد تقی جاوا، سید سرور بلگرامی اور ڈاکٹر ابوالحسن نقوی کے نام معنون کی گئی ہے۔ یہ مجموعہ طاہرین دو ایڈیشنوں میں شائع ہوا ہے۔ پہلا ڈیلکس ایڈیشن ہے جو بڑی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔ دوسرا عمومی ایڈیشن ہے جو کتابی سائز پر شائع ہوا ہے اور یہی ہمارے پیشِ نظر ہے۔

''طاہرین'' کا طویل مقدمہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے تحریر کیا ہے۔ اس مقدمے

میں سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت کے نمایاں رُخوں کو اُجاگر کیا ہے اور ان کی نعت گوئی، منقبت نگاری اور سلام گوئی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور عصر حاضر کے تمام نامور ناقدین کی آراء کی روشنی میں ہاشمی صاحب کا مقام و مرتبہ متعین کیا گیا ہے۔ اردو مقدمہ نویسی کی تاریخ میں یہ مقدمہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے قابلِ قدر اضافہ ہے اور نئے لکھنے والوں کے لیے رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے پہلے حصے میں ہاشمی صاحب کی تمام نعتیں یکجا کر دی ہیں اور سید وحید الحسن ہاشمی کی نعت نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر خورشید رضوی کی گراں قدر رائے پیش کی ہے۔ اس انتخاب میں سید وحید الحسن ہاشمی کی نوے نعتیں شامل ہیں۔ طاہرین کے دوسرے حصے میں وحید الحسن ہاشمی کی دو سو منقبتیں شامل ہیں اور آغاز میں ''سید وحید الحسن ہاشمی کی منقبت نگاری'' کے عنوان سے ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی کی صائب رائے پیش کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں ہاشمی صاحب کے ایک سو بائیس سلام یکجا کر دیے گئے ہیں اور ''سید وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری'' کے عنوان سے معروف نقاد اور محقق ڈاکٹر وحید قریشی کی بیش قیمت رائے پیش کی گئی ہے۔ اس طرح طاہرین سید وحید الحسن ہاشمی کی نعتوں، منقبتوں اور سلاموں کا نادر اور یگانہ مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یوں تو ہر کتاب صوری اور معنوی اعتبار سے خوب سے خوب تر ہوتی ہے لیکن طاہرین کے عمومی اور خصوصی دونوں ایڈیشن نفاست اور سلیقے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے ذریعہ سید وحید الحسن ہاشمی کی نعتیں، منقبتیں اور سلام یکجا کر دیے ہیں۔ طاہرین کے فلیپ پر درج ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر وحید قریشی کی آرا ہمارے موقف کی تائید کے لیے کافی ہیں۔

◆ ڈاکٹر وزیر آغا

"——

سید وحید الحسن ہاشمی کی زیرِ نظر تصنیف "طاہرین" جس میں ان کی نعتیں، مناقب اور سلام شامل ہیں اذہان کو منور اور دلوں کو تسخیر کرنے والی کتاب ہے۔ جب تک آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا باقی ہے اس کتاب کی اثر انگیزی میں کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ نعت، منقبت، سلام، نوحہ اور مرثیے کے میدان میں سید وحید الحسن ہاشمی اپنی تخلیقی کارکردگی کے باعث اب ایک لیجنڈ بن چکے ہیں اور ان اصناف سے چھونے والا کوئی بھی سلسلۂ خیال سید صاحب کے حوالے کے بغیر تشنہ اور اُدھورا ہے۔ میر انیسؔ کے زمانے سے آج کے دور تک ظلم کا مقابلہ آنسو اور دعا سے کرنے کی جو عظیم الشان روایت وجود میں آئی ہے سید وحید الحسن ہاشمی نے اس کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔ سید صاحب ایک ایسے قادر الکلام شاعر بن چکے ہیں جن کے سامنے الفاظ باادب کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں جذب کا ایک ایسا عالم ہے جس نے لفظوں کو ملائم اور دلوں کو موم کیا ہے۔ انہوں نے جذبات کو تلاطم آشنا نہیں کیا، متلاطم جذبات کی تہذیب کی ہے اور یہ ایک کارنامہ ہے۔

——"

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

"——

"طاہرین" نعتیں، مناقب اور سلام کا کلیات ہے جو سید وحید الحسن ہاشمی کی عقیدت اور شاعری کا ثمر ہے۔ وحید الحسن ہاشمی آرزو

لکھنوی اور آلِ رضا کے حلقۂ تلمذ میں رہے ہیں، اس لیے زبان پر عبور اور فنی پختگی کا جو معیار ان کے ہاں ملتا ہے عصرِ حاضر کے دوسرے شعراء میں کم ہی ملے گا۔ ان کے کلام کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فکر و احساسات کو اس طرح بہم آمیز کیا ہے کہ ہر جگہ اپنا الگ راستہ نکالا ہے اور جدید حسیت سے اس کا رشتہ قائم ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں عقیدت مندی کے اس کلام کا کوئی شائبہ نہیں جس میں شاعری دب کر محض عقیدت یا تقلید ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلا شبہ وہ ہمارے عہد کے ایک نہایت اہم نعت گو، منقبت نگار اور سلام کے شاعر ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان کے تمام کلام کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔ ان کے لائق فرزند ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ان کی جملہ نعتیں، منقبتیں اور سلاموں کو یکجا کر کے طاہرین کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اب وحید الحسن ہاشمی کے صحیح شاعرانہ مرتبے کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ باپ اگر پچاس کتابوں کا مصنف تھا تو بیٹے نے بھی تین درجن کی گنتی پوری کر لی ہے۔ انہوں نے اپنے والد صاحب کے کلام کی تدوین نو، کر کے محض حقِ فرزندی ہی ادا نہیں کیا بلکہ اپنے والد کے علمی مرتبے کو متعین کرنے کے لیے نقادوں کا کام بھی آسان کر دیا ہے۔ اس اہم علمی خدمت پر میں انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

"——

(۴۴)

سیف زلفی کے مرثیے

(تجزیہ و تدوین)

◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی معروف کتاب "سیف زلفی کے

مرثیے۔تجزیہ و تدوین" مئی ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ ۲۰۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو الحسن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔اس کتاب کا انتساب سیف زلفی کی اہلیہ محترمہ توفیق فاطمہ کے نام ہے۔

"سیف زلفی کے مرثیے" کے دو بنیادی حصے ہیں۔ پہلا حصہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے ایک سو سے زیادہ صفحات کو محیط طویل مقدمے پر مشتمل ہے۔اس مقدمے میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے سیف زلفی کے سوانحی حالات، سیرت و کردار، ادبی ماحول، مطبوعہ تصانیف، سیف زلفی کی شعری تخلیقات اور مختلف شعری اصناف غزل، نظم، منقبت، نوحہ، دوہا، حمد اور ترانہ کی خوبیاں بیان کرنے کی بھرپور سعی کی ہے اور معروف محققین و ناقدین کے حوالوں کے ذریعے اپنے موقف کی تائید کی ہے۔اس طرح سے اس کتاب کے پہلے حصے میں انہوں نے سیف زلفی کا نہ صرف نفسیاتی تجزیہ پیش کیا ہے بلکہ انہوں نے حواشی کے ذریعے معتبر ناقدین کی سیف زلفی کے بارے میں آراء بھی قلم بند کی ہیں۔ اس مقدمے کو پڑھ کر سیف زلفی کا فن اور سیف زلفی کی ذات کے تمام پہلو قاری کے سامنے بھرپور طریقے سے اُجاگر ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلا حصہ سیف زلفی شناسی کے حوالے سے بڑی خاصے کی چیز ہے۔سیف زلفی کی مرثیہ نگاری پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقدمے میں وقیع بحث کی ہے اور حواشی کے ذریعے اپنی رائے میں وزن پیدا کیا ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"____

سیف زلفی ایک تخلیقی ذہن رکھتے تھے۔انہوں نے عمر بھر ادب کی خدمت کی اور کئی نثری و شعری تخلیقات یادگار چھوڑیں۔انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے ورثے کی حفاظت کی، روایت کی اعلیٰ

قدروں کو اپنی ذات میں جذب کیا اور انفرادیت کا سہارا لے کر دنیائے ادب میں اپنے لیے ایک مستقل مقام بنانے میں کامران ہوئے۔ روایت، وراثت اور انفرادیت کی اس فنی تکوین نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو چار چاند لگادیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ سیف زلفی کی کسی بھی نثری یا شعری تخلیق کا مطالعہ فرمائیے آپ خود دیکھیں گے کہ اس تخلیق کے پس پردہ یہی فنی مثلث کارفرما ہے۔

"____

اس کتاب کے دوسرے حصے میں سیف زلفی کے درج ذیل چار مرثیے پیش کیے گئے ہیں:

۱۔ عظمتِ حسینؑ (اُجلا ہے ذہن اور قلم پر نکھار ہے)

۲۔ وسیلہ (اصغرؑ کا ذکر خالقِ اکبر کا فیض ہے)

۳۔ اُسوۂ عباسؑ (غازیؑ کا نام لے کے دبیرِ قلم چلا)

۴۔ عشقِ حسینؑ، آبِ حیات (لکھتا ہے داستانِ قیادت مرا قلم)

اس کتاب کا فلیپ معروف ناقد ڈاکٹر آغا سہیل نے لکھا ہے جو ہماری درج بالا بحث کی تائید کرتا ہے۔

◆ ڈاکٹر آغا سہیل

"____

میری ناچیز رائے میں جو شاعر اُردو کے جملہ اصنافِ سخن پر حاوی نہ ہو وہ صنفِ مرثیہ میں ایک مصرعہ بھی موزوں نہیں کرسکتا۔ سیف زلفی ایک ایسے پُرگو اور زود نویس شاعر واقع ہوئے تھے کہ باتوں باتوں میں شعر تخلیق کرلیا کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے اُردو

کے جملہ اصناف سخن کی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا تھا اور ان کے مرثیوں میں ان تمام اصناف کا جوہر کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن جو متعدد کتابوں کے مصنف و مرتب بھی ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں، انہوں نے سیف زلفی کے بعض عسیر الحصول مرثیوں کا کھوج لگا کر ایک پر مغز اور مدلل مقدمہ لکھا جو تحقیق و تدقیق کے علاوہ تنقید اور تخلیق کا بخوبی احاطہ کرتا ہے۔ اہلِ ذوق یقیناً سیف زلفی کے ان مرثیوں سے بھی استفادہ کریں گے اور ان کی تفہیم کیلئے اس مقدمہ کو اپنے راستے کا خضر بنائیں گے۔ اُمید ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی اس کتاب سے اہلِ ذوق اور خصوصاً مرثیہ کے شائقین بیش از بیش فائدہ اٹھائیں گے اور سیف زلفی کے باب میں اپنی رائے کا اظہار بھی کریں گے۔

"____

(۲۵)

قیصرِ اقلیم مرثیہ

(شاعرِ حسینیتؑ قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری)

◆◆

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی معتبر کتاب "قیصرِ اقلیم مرثیہ۔ تحقیق و تنقید" جولائی ۲۰۰۶ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب الحسن پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی ہے۔ اس کتاب کو معروف مرثیہ نگار اور مرثیہ شناس ڈاکٹر ہلال نقوی کے نام معنون کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر شبیہ الحسن نے "معروضات" کے عنوان سے

کتاب کی تخلیق کے اسباب بیان کیے ہیں۔اس سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں:۔

"ــــــ

بیسویں صدی میں جدید اُردو مرثیہ کے معماروں میں نجم آفندی، جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری، نسیم امروہوی، آلِ رضا، شاہد نقوی، ڈاکٹر صفدر حسین، سیّد وحید الحسن ہاشمی اور قیصر بارہوی کے نام شامل ہیں۔ان تمام شعرا کی رثائی خدمات اپنی جگہ مسلّم ہیں تاہم قیصر بارہوی کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے اس صنف کے رثائی مزاج کو قائم رکھتے ہوئے اسے مقبولِ عام و خاص بنایا۔قیصر بارہوی کو دوسرے شعرا پر یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بڑے شہروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے قصبوں اور دیہات میں گلستانِ مرثیہ کی آبیاری کی اور وہاں صنفِ مرثیے کی ایسی فصل اُگائی جو آج بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔

ــــــ"

اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب قیصر بارہوی کے سوانحی کوائف اور اعترافات پر مشتمل ہے۔اس باب میں قیصر بارہوی کی زندگی کے بارے میں مفصل بتایا گیا ہےاور بعد ازاں قیصر بارہوی کے بارے میں معروف ناقدین کی آرا شامل ہیں جس سے قیصر بارہوی کا ادب میں معتبر مقام ہمارے سامنے آتا ہے۔ دوسرے باب میں قیصر بارہوی کے ترپن مرثیوں کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن نے انتہائی مہارت سے ہر مرثیے کے حسن وقبح پر روشنی ڈالی ہے ا ور پانچ بندوں کی مدد سے ہر مرثیے کے نمونہ کلام کو بھی پیش کر دیا ہے۔تیسرے باب میں ڈاکٹر صاحب نے انتہائی عرق ریزی اور دیدہ وری سے جدید اُردو مرثیے میں قیصر

بارہوی کا مقام و مرتبہ متعین کیا ہے۔اس باب کے اوائل میں انہوں نے صنف مرثیے کی اہمیت اور خصوصاً لکھنؤ میں مرثیے کی ترقی اور فروغ کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے قیصر بارہوی کے تمام مرثیاتی مجموعوں کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔انہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ حواشی کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں جدید اُردو مرثیے کو عظمت دلانے میں قیصر بارھوی کو خاص مقام حاصل ہے۔انہوں نے قیصر بارہوی پر کیے گئے اعتراضات کا کماحقۂ دفاع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بیسویں صدی میں قیصر بارہوی اپنے مرثیوں کے باعث زندہ و تابندہ رہیں گے۔چوتھے باب میں قیصر بارہوی کے درج ذیل چار مختلف النوع مرثیوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

۱) آیاتِ آمنہ (اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام)

۲) علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ (عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن)

۳) آبروئے فکر (دوستو، انسان کے اندر بھی اک انسان ہے)

۴) یوسفِ کربلا (حسینؑ لاشۂ اکبر تلاش کرتے ہیں)

اُردو مرثیے کی تاریخ اور خصوصاً جدید مرثیے کی تنقید میں ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی یہ کتاب ایک اہم اور معتبر دستاویز ہے۔اس کتاب کے بارے میں معروف مرثیہ شناس انتظار حسین کی وقیع رائے ملاحظہ فرمائیے:

◆ **انتظار حسین**

"

ایک زمانے تک صورت یہ رہی کہ ہمارے مرثیے کی تنقید انیس و دبیر پر آ کر ختم ہو جاتی تھی۔کلاسیکی عہد کے بعد کے مرثیے کو زیادہ لائقِ توجہ نہیں سمجھا گیا مگر اب شاید اس پر زیادہ توجہ ہے۔قیصر

بارہوی مرحوم تو ہمارے ہی زمانے کے شاعر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لازم تھا کہ ان کے سارے کام کو سمیٹا جاتا اور اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کر کے ان کے مرثیے کے متعلق کوئی مستقل رائے قائم کی جاتی۔ بہت اچھی بات ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے بارہوی مرحوم کے سارے مرثیوں کو سمیٹ کر اولاً سرسری تعارف کروایا ہے، ہر مرثیے کا ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے اور پھر دقتِ نظر کے ساتھ ان کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ قیصر بارہوی مرثیے کے میدان میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے یقیناً اس مطالعہ کے مستحق تھے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھی اپنے اس مطالعہ کیلئے جو ان کی تنقیدی بصیرت کا غماز ہے، داد کے مستحق ہیں۔

"——

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تحقیقی اور تنقیدی سفر کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے سفینہ پبلی کیشنز، الحبیب پبلی کیشنز اور الحسن پبلی کیشنز کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے بے شمار کتابوں کی ترتیب و تسوید کا فریضہ ادا کیا مگر بطور مرتب ان کتب پر اپنا نام تحریر نہ کیا۔ اسی طرح انہوں نے بعض ادیبوں اور شاعروں کی معاونت سے ان کی تخلیقات کو زیورِ طبع سے آراستہ کرایا اور اندرونی صفحات پر بطور مرتب اپنا نام تحریر کیا۔ راقم الحروف نے اس مزاج و مذاق کی کسی کتاب کو اپنے مقالے میں شامل نہیں کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے ذہنی ارتقا کی تفہیم کے لیے ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین کا مطالعہ بھی مفید ہو سکتا تھا لیکن راقم الحروف نے انہیں بھی اپنے مطالعہ میں شامل نہیں کیا۔ اس طرح یہ مختصر مضمون صرف اور صرف ان کتابوں کے مطالعہ تک محدود کر دیا گیا ہے جو ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تخلیقات یا

مرثیات کی ذیل میں آتی ہیں۔

میں نے اس کتاب کے آغاز میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ہمارے معاشرے میں سنجیدہ وفکر ناقدین کی بے حد کمی محسوس ہو رہی ہے۔ مقامِ مسرت یہ ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ربع صدی سے علم و ادب کی آبیاری کر رہے ہیں اور ان کی تخلیقات و مرثیات کے مطالعہ کے بعد میں دعا کرتا ہوں کہ

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

◆◆◆

باب ستم

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تنقیدی زاویے

اُردو ادب کی اصناف میں تنقید سب سے معتبر صنف ہے۔ یہ صنف جتنی زیادہ معتبر ہے اتنی ہی مشکل ہے۔ باقی اصناف میں اتنی محنت اور ذمہ داری کی ضرورت پیش نگاہ نہیں ہوتی جتنی تنقید میں ہوتی ہے۔ اس صنف کے بغیر اعلیٰ ادب کا وجود ممکن نہیں ہے۔ تنقید نہ صرف تخلیقات کے لیے ضروری ہے بلکہ نوآموز تخلیق کاروں کے لیے اعلیٰ اُصول بھی تنقید ہی مرتب کرتی ہے۔ تنقید ہی کے سبب ہم کسی ادیب یا شاعر کے فن پارے کے حسن و قبح پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تنقید، تخلیق کی تفہیم کے لیے ضروری ہے۔ نقاد کو تنقید نگاری کے وقت اپنے اُصول وضوابط پر کاربند رہنا چاہیے تاکہ وہ غیر جانبدارانہ رائے دے سکے۔

اعلیٰ ادب کی تخلیق کے لیے تنقید ضروری ہے اور نقاد کی غیر جانبدارانہ رائے بہت ضروری ہے۔ اس دور میں جب تخلیق کاروں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن معتبر ناقدین ناپید ہوتے جا رہے ہیں تو ایسے میں اعلیٰ ادب کا فقدان ہو رہا ہے۔ تخلیقات نقاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں اور نہ ہی پذیرائی حاصل کر سکتی ہیں۔ انحطاط کے اس دور میں علم و دانش کے حامل نقاد ادبی فن پاروں کی ابدی حیات کے لیے

بے حد ضروری ہیں۔ ان حالات میں ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کا نام تنقید کے اُفق پر روشن ستارے کی مانند چمک رہا ہے۔ اعلیٰ ادبی تخلیقات کے حصول کے لیے ڈاکٹر شبیہ الحسن کی کوششیں قابلِ صد تحسین ہیں۔ انہوں نے اپنی تنقید نگاری کے ذریعے جو کوششیں فروغِ ادب کے لیے کی ہیں اور کر رہے ہیں وہ ہمیشہ منور رہیں گی۔ وہ اپنی تنقید میں تحقیق سے استفادہ کرتے ہیں اور غیر جانبدارانہ رائے پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی یہ کوشش ایک طرح کا ادبی جہاد ہے۔ وہ اپنی تنقید کے ذریعے ادبا اور شعرا کی پذیرائی میں مسلسل مصروف ہیں۔ ایسے ادیب، شاعر یا تخلیق کار جو دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئے یا ادبی گروہ بندی کا شکار ہو گئے ڈاکٹر شبیہ الحسن کی دور اندیشی ایسے گمنام اور کھوئے ہوئے ادیبوں کو منظرِ عام پر لاتی ہے۔ غالب، اقبال اور میر جیسے شعرا پر سینکڑوں کتابیں قلم بند کی گئیں لیکن کم معروف ادیبوں اور گمنام شاعروں کو کوئی نقاد اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ تنقید میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کو یہی امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے کم معروف مگر معتبر ادیبوں اور شعرا کی پذیرائی کی ہے۔

صنفِ تنقید اپنے اندر کئی اقسام بھی رکھتی ہے۔ نقاد کا فرض ہے کہ وہ تنقید کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالے اور تنقید کی مختلف اقسام کو تلاش کرے۔ فن پارے میں تنقید کی جو قسم موجود ہو اُس کو اُجاگر کرے۔ آپ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی کتب کا مطالعہ کیجیے آپ کو اندازہ ہوگا کہ انہوں نے صرف تنقید کی مروجہ اقسام کو ہی سامنے نہیں رکھا بلکہ اس میں اپنی جدتِ طبع سے نئے نئے رُخ پیدا کیے ہیں۔ ذیل میں ہم ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید نگاری کے فن کا جائزہ لیں گے اُن کی تخلیقات اور ناقدین کی آرا کے پیشِ نظر اُن کے مختلف تنقیدی رُخوں پر بحث کریں گے اور ان کی تنقید میں عمرانی، تہذیبی، جمالیاتی، شعوری، نفسیاتی اور لسانی عناصرِ تنقید کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک تہذیبی نقاد ہیں۔ ان کی تنقید میں تہذیبی عناصر، لفظی جزئیات اور شعور کی پختگی واضح طور پر ملتی ہے۔ وہ شاعری ہو یا افسانہ، ناول ہو یا ڈرامہ، مرثیہ ہو یا نظم، غزل ہو یا گیت حتیٰ کہ مزاح نگاری کو بھی جب اپنے ذہن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو تہذیبی عناصر کو الگ کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ادیب، افسانہ نگار، ناول نگار یا شاعر کی تخلیق میں تہذیبی عناصر کی بازگشت ضرور سنائی دیتی ہے اور یہی بڑے ادیب کی علامت ہے۔ اس لیے کہ ادیب اپنی تہذیب سے الگ رہ کر اپنی سوچ کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔ اس کے لیے وہ تہذیب سے واسطہ رکھتا ہے اور تخلیقات کے خمیر کو تہذیب کے ساتھ گوندھتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں جابجا ہمیں ایسے تنقیدی حوالے ملتے ہیں جن میں وہ دوسرے نقادوں کی آرا سے اپنی بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کامیاب سعی کرتے ہیں۔ تنقید میں تہذیب کی اہمیت مسلّم ہے۔ وہ اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں:

"تنقید ایک تہذیبی عمل ہے اور اس نکتے کی وضاحت ان مضامین میں نظر آئے گی۔ میں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی تہذیبی صورت حال کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔"

(مفاہیم ص ii)

وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ تنقید میں تہذیبی آثار کی موجودگی بے حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اس ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور اس کو اپنی تنقید میں شامل کیا ہے۔ ادیب بھی دوسرے افراد کی طرح معاشرے کا حصہ ہوتا ہے وہ کسی بھی صورت میں معاشرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ معاشرے میں ہونے والی

تبدیلیاں اور معاشرتی واقعات و سانحات ادیب کے ذہن پر دوسرے افراد کی نسبت زیادہ گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس طرح ادیب کی تخلیقات میں تہذیبی اثاثہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ادبی فن پاروں پر تنقید کرتے ہوئے تہذیبی عناصر کو پیش کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

"

> کسی بھی معاشرے کی شناخت اس کے تہذیبی سرمائے سے کی جا سکتی ہے۔ اعلیٰ تہذیب کے عروج کا اندازہ اس کی ثقافت و شائستگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ درحقیقت یہی تہذیبی محاسن ایک عہد کو دوسرے عہد سے ممتاز کرتے ہیں۔ یہی نکتہ سمجھتے ہوئے طنز و مزاح نگار کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے سے معاشرے کو تہذیب و شائستگی کے عناصر سے مالا مال کر دے اور ان عناصر کے اثرات فرد اور معاشرے کی ہر سطح پر مرتسم ہوں تاکہ تہذیبی سرمائے میں مثبت اضافہ ہو سکے۔

"

(مفاہیم ص ۶)

تہذیبی عناصر کے حوالے سے ڈاکٹر شبیہ الحسن مزاح میں بھی یہ عناصر تلاش کر لیتے ہیں۔ آپ نے ان کی رائے ملاحظہ کی اور دیکھا کس انداز سے انہوں نے مزاح نگار اور تہذیب کی گہری وابستگی کو واضح کیا ہے۔ تنقید میں تہذیب کے حوالے سے اُن کا واضح موقف ہے کہ تخلیق کار کو تہذیبی اقدار کو اپنی ذات میں شامل کر لینا چاہیے اور بعد از اں تہذیبی اقدار کو تخلیقات کے توسط سے عوام تک پہنچانا چاہیے۔ اس حوالے سے عوام کو ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تہذیب کی اصل صورت اُن کے سامنے آ جاتی ہے اور تہذیبی اقدار کے دگرگوں حالات اور اس کی بہتری کے لیے اقدامات کرنے کی تحریک

پیدا ہوتی ہے لہٰذا ایک بڑا تخلیق کار اپنی تخلیقات میں اپنے عہد کی تہذیب کو سمو دیتا ہے اور پھر الفاظ کا جامہ پہنا کر قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ درج بالا نکات میں ہم نے اُن کے مضامین کے حوالے سے دیکھا کہ کیسے وہ مزاح اور دوسری تخلیقات میں تہذیبی عناصر پیدا کرتے ہیں۔ اب ذیل میں ہمیں نثر کے حوالے سے جائزہ لینا ہے کہ نثری تخلیقات میں ڈاکٹر شبیہ الحسن کیسے تہذیبی عناصر کا کھوج لگاتے ہیں۔ وہ کسی بھی نثری فن پارے کو اپنی تنقید کے دائرے میں لاتے ہیں تو اُس میں تہذیبی بازگشت کو سنتے ہیں اور اُس کو دائرہ تحریر میں لاتے ہیں۔ ڈاکٹر آغا سہیل کی تخلیقات میں وہ تہذیبی عناصر چنتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"——

آغا سہیل لکھنوی تہذیب و تمدن کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ انہوں نے اس تہذیب کو اُجڑتے بلکہ مٹتے دیکھا ہے ان کی دیرینہ خواہش رہی ہے کہ اس بگڑتی تہذیب کی عظیم روایات کسی بھی قیمت پر محفوظ ہو جائیں......

——"

(آغا صاحب ص ۱۱)

وہ اپنے فرائض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جب بھی کسی ادبی فن پارے کو زیرِ غور لاتے ہیں تو ضرور اُس پر غیر جانبدارانہ اور بے لاگ تبصرہ رقم کرتے ہیں۔ وہ تخلیقات کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں۔ منطق کی رو سے دیکھتے ہیں اور تاریخ کے پس منظر میں اُس کا مشاہدہ کرتے ہیں پھر تخلیقات کے نمونے اور دوسرے ناقدین کی آرا سے اپنی بات کو ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک صادق ناقد کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ صرف نثری تخلیقات تک اپنی تنقید کا تہذیبی سفر روکتے نہیں بلکہ شاعری میں بھی

اس کے عناصر تلاش کرتے ہیں اور اشعار کے حوالوں سے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہیں۔ وہ مرثیے میں بھی تہذیبی عناصر کا کھوج لگاتے ہیں اور مرثیے کا تہذیب کے ساتھ تعلق واضح کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"____

تہذیبی وابستگی کی وجہ سے اس صنف (مرثیے) کا قوت و توانائی سے اظہار اس وقت ممکن ہو سکا جب اسلامی تہذیب اپنے عروج پر دکھائی دینے لگی اور یہی تہذیبی عروج مختلف تہذیبی عوامل کے ذریعے مرثیے میں بھی ظاہر ہوا۔

____"

(اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار ص ۵۵)

اس طرح سے انہوں نے مرثیے میں تہذیبی عناصر بھی تلاش کیے، اس کے ثبوت دیے اور بعد ازاں ثبوت کے طور پر دلائل پیش کیے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تنقیدی افکار میں تہذیبی رویوں کی بازگشت کے حوالے سے عصرِ حاضر کے معروف نقاد ڈاکٹر سہیل احمد خان رقمطراز ہیں:

"____

"شبیہ الحسن اُردو شعری اصناف کے پس منظر میں کارفرما تہذیبی طرزِ احساس سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ مختلف اصناف میں اس طرزِ احساس کی صورتیں تلاش کرتے ہوئے اپنی تہذیبی اقدار کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔

____"

(مفاہیم غلیپ)

ڈاکٹر شبیہ الحسن جس ادبی صنف کو بھی اپنی ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں تو اُس

میں موجود تہذیبی عوامل و عناصر کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ تہذیب اور ادیب کا آپس میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اپنی تنقید سے اس رشتے کے اسباب ،لوازمات اور اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ظہیر کاشمیری کی رائے بھی ہمارے موقف کی تائید کرے گی۔

"_____

وہ ہر موضوع کو گہری ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور نتائج اخذ کرنے سے پہلے ہر موضوع کے داخلی، خارجی اور زمانی پہلوؤں کو عموماً پیش نظر رکھتے ہیں۔

_____"

(مفاہیم فلیپ)

درج بالا نکات سے ہماری بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک تہذیبی نقاد ہیں۔وہ ہر صنف سخن کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اُس میں پائے جانے والے تہذیبی عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں۔اس طرح تخلیق میں تہذیبی عناصر کی ضرورت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر سہیل احمد خان کی یہ مستند رائے ہمارے موقف کی بھرپور وضاحت کرے گی۔

"_____

شبیہ الحسن ان نقادوں اور محققین میں سے ہیں جو ادب کو ایک وسیع تر تہذیبی پس منظر میں رکھ کر دیکھتے ہیں۔تہذیبی اقدار سے ان کی علمی وابستگی ان کی تحقیق و تنقید کو ایک نہج عطا کرتی ہے۔اس کے علاوہ وہ پامال موضوعات پر قلم اٹھانے کے بجائے زیادہ تر ان شخصیات کو تنقید و تحقیق کا موضوع بناتے ہیں جن پر پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔اس کوشش

میں بسا اوقات وہ نئی معلومات فراہم کرتے ہیں یا کسی ایسے زاویے کو سامنے لاتے ہیں جس میں تنقیدی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

"____

(ترجیحات قلیپ)

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید کا ایک اور رُخ بھی ہے جو ہمیں اُن کے باشعور نقاد ہونے کا پتا دیتا ہے کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن جب بھی کسی فن پارہ ادب کو اپنے ذہن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو پہلے اُس کا شعوری مطالعہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ تصنیف اس قابل ہے کہ اس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی جائے۔ پھر اُس کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں اور بعد ازاں ادیب کی شخصیت میں وہ عناصر تلاش کرتے ہیں جو شعور سے متعلق ہوں۔ ہم اُن کی تخلیقات کا مطالعہ کر کے دیکھتے ہیں تو اُن کا شعور لفظوں کے جامے پہنے ہمارے پیشِ نگاہ ہوتا ہے۔ وہ جب بھی کسی ادبی فن پارے کا جائزہ لیتے ہیں تو اُس میں فکری اضافوں کی طرف ضرور توجہ دلاتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ہاں عصری تقاضے، تفکر، تدبر اور منطقی اندازِ فکر اُن کے باشعور ہونے کی واضح علامت ہے۔ وہ اپنے ذہن رسا کی بدولت تخلیقات کا اتنا غائر مطالعہ کرتے ہیں کہ کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ وہ مولانا مرتضیٰ حسین کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"____

مولانا مرحوم ادب کے رسیا تھے اور اس کی خاطر ہر قسم کی صعوبت برداشت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ علم سے والہانہ شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ حصول علم کے لیے آپ کشاں کشاں دوسرے ممالک کے سفر بھی اختیار کر لیتے تھے۔

"____

(ترجیحات۔ ص ۴۸)

آپ دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنے شعور کی بنا پر مولانا مرتضیٰ حسین کی ذات اور فن کا مطالعہ کرتے ہیں اور نتائج اخذ کرتے ہیں کہ قاری ایک دو جملوں میں بات سمجھ لیتا ہے۔ وہ کسی بھی تخلیق کے ظاہری مطلب پر دھیان نہیں دیتے بلکہ فن پارے کے تمام ممکنہ امکانات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ خاص نقطہ نظر کے تحت فن پارے کا جائزہ لیتے ہیں کہ اُس کے تمام مجو قاری کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن تنقید کرتے ہوئے زیرِ نظر فن پارے کو اس منطقی انداز میں شعوری سطح پر دیکھتے ہیں کہ پوشیدہ مقصد بھی سامنے آ جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر طارق عزیز کی شاعری میں خواب کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"____

ایک سوال طویل عرصے سے میرے ذہن میں گردش کر رہا ہے کہ ڈاکٹر طارق عزیز جیسے جوان بلکہ نوجوان شاعر نے اپنے اولین مجموعے کا نام "جلاوطن" کیوں رکھا؟؟ میرے نزدیک یہ نام ڈاکٹر طارق عزیز کی دانشمندانہ سوچ ہی کا مظہر نہیں بلکہ ان کی شعری کائنات کے قفل کی کلید بھی ہے اور میں اسی کے ذریعے اُن کی سلطنتِ شعر میں داخل ہو رہا ہوں۔ عام طور پر جلاوطن سے مراد کسی کو دیس بدر کر دینا ہوتا ہے لیکن طارق عزیز نے اپنے شعری نظام میں جلاوطنی کی درج ذیل شکلیں اُجاگر کی ہیں۔

____"

(تصریحات ص ۱۱۰)

اس کے بعد ڈاکٹر شبیہ الحسن وہ شکلیں بھی بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا فکری محرکات کی تہہ تک پہنچنا اور شعور کی سطح تک رسائی حاصل کرنا یہ ڈاکٹر شبیہ الحسن کا خاصا ہے۔ وہ

ادیب کی فکر کے تمام محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے تمام تفصیلات بیان کر دیتے ہیں۔اس طرح شعور اصناف کے سانچے میں مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔وہ جب بھی کسی ادیب کا نفسیاتی مطالعہ کرتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اُس کے فن پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔وہ اپنے معاصر تنقیدی رویوں سے آگاہی رکھتے ہیں اور تنقیدی بصیرت سے کام لیتے ہوئے حق تنقید ادا کرتے ہیں۔وہ ڈاکٹر محمد صالح طاہر کے بارے میں رقمطراز ہیں

"____

ڈاکٹر محمد صالح طاہر کے مضامین کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔یہ نقطۂ نظر دو اصولوں حق گوئی اور وطن دوستی پر استوار ہے......دراصل یہ مضامین جہالت کے خاتمے اور علم کے فروغ کے لیے نقطۂ آغاز کا درجہ رکھتے ہیں۔

____"

(تقریحات ص ۱۸۰۔۱۸۱)

ڈاکٹر شبیہ الحسن کسی بھی ادبی فن پارے کو جب بھی تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو اُس تخلیق کے شعوری محرکات کا کھوج ضرور لگاتے ہیں جب تک وہ یہ کھوج نہیں لگاتے تو اُن کی تسکین نہیں ہوتی۔اسی طرح سے جب وہ کسی ادیب کے بارے میں جائزہ لیتے ہیں تو اُس کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ اُس کے ذہن کے محرکات بھی سامنے لاتے ہیں اور عقل و دانش کے در وا ہوتے ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ رائے ہمارے موقف کی تائید کرے گی۔ملاحظہ فرمایئے:

"____

ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک باصلاحیت اور ہوش مند نقاد ہیں۔انہوں نے اسلم کولسری کے حوالے سے ایک ایسی منفرد کتاب پیش کی ہے جو بیک

وقت شاعر کی غزلوں کا انتخاب بھی ہے، اُس کے سوانحی کوائف اور
شعری کارکردگی کا بیان بھی ہے اور اُس کے کلام کا تنقیدی جائزہ بھی۔

"_____

(جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ۔ فلیپ)

وہ جب بھی کسی صنفِ ادب کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا کسی ادیب کا مکمل محاکمہ کرتے ہیں تو اس انداز سے کہ اُس کا ذہن ایک کھلی کتاب کی طرح قارئین کے سامنے آ جاتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن کسی بھی صنفِ ادب یا ادیب کا مطالعہ کرتے ہوئے شعوری طور پر ادیب کے شعوری محرکات کا پتہ چلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں مظہر حسین مظہر کی یہ رائے ملاحظہ کیجئے:

"_____

انہوں نے روایت اور جدت کے اشتراک سے ایک ایسا تنقیدی نقطۂ نظر اپنایا ہے جو سب سے منفرد اور جدا ہونے کے ساتھ توازن اور اعتدال جیسے اوصاف سے متصف ہے۔ اُن کے ذہن رسا، عصری حسیت، قوت متخیلہ، تنقیدی بصیرت، لسانیات پر عبور، منطقی اور مدلل اندازِ فکر، وسعت اور بالغ نظری، نظم و نثر پر دسترس اور بعض دیگر موروثی خواص نے نہ صرف انہیں باشعور نقاد بنا دیا بلکہ ان تمام محاسن کے سبب اُن کی حیثیت ایک صاحبِ طرز اور قادرالکلام ادیب سے کسی طور کم نہیں۔

"_____

(ماہنامہ شام و سحر لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۴)

درج بالا نکات، آرا اور مختلف حوالوں کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک ہوش مند، باشعور، سنجیدہ فکر اور منجھے ہوئے نقاد ہیں۔ وہ شعوری طور پر فن

پارے کا مطالعہ کرتے ہیں، اُس کے معائب ومحاسن کو سامنے لاتے ہیں۔ ادیب کے فکری محرکات کا جائزہ لیتے ہیں اور تائید کے لیے آرا پیش کرتے ہیں۔ یہ ان تمام نکات کو ایک مربوط انداز سے آسان اسلوب میں قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کا تنقیدی شعور واضح بھی ہے اور پر تاثیر بھی۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید صرف شعور پر ہی مبنی نہیں ہوتی بلکہ وہ جہاں فکری محرکات کا جائزہ لیتی ہے وہیں فکر میں تحریک بھی پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ فکر کے لیے نئی راہیں بھی متعین کرتی ہے جو آنے والے ادیبوں کے اذہان میں تفکر پیدا کرتی ہے۔

ادب میں عمرانی تنقید کی حقیقت مسلم ہے۔ اس دبستان کی تنقید کو نمایاں حیثیت اور اہمیت حاصل ہے۔ عمرانی تنقید سے مراد ہے کہ ایسی تنقید جہاں تخلیق کار کی تخلیقات میں معاشرہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ادیب تنہا زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح معاشرے کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ معاشرے میں گوناگوں مسائل ،نشیب وفراز، خوشی اور غم اُسے عام انسان سے زیادہ متاثر کرتے ہیں اس طرح یہ جذبے تخلیقات میں معاشرے کے غماز بن جاتے ہیں۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقیدی کتب میں سماجی وعمرانی موضوعات کا ایک تنوع ملتا ہے۔ انہیں اس حقیقت کا علم ہے کہ ادیب کی تخلیقات اُسی صورت میں آفاقی اور پر تاثیر ہوں گی جب اُس میں زمانے کی قدروں کا بیان ہوگا لہٰذا ادب میں ادیب اپنی تخلیقات کے لیے زمانے سے مواد ضرور لیتا ہے۔ وہ اپنے دور کی شکست وریخت ٹوٹتی ہوئی انسانی قدروں اور پامال ہوتے ہوئے انسانیت کے ارمان کی بازگشت سُنتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ان محرکات کا کھوج لگاتے ہیں جو معاشرے سے ادیب کی تخلیقات میں وجود

پذیر ہوتے ہیں۔ وہ تخلیقات پر عمرانی اثرات کو زیرِ بحث بھی لاتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرہ ادب کی سمت نمائی کرتا ہے اور ڈاکٹر شبیہ الحسن اس انداز سے ادیب کی سمت کشائی کرتے ہیں۔ وہ سید آلِ رضا کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"______

سید آلِ رضا، آرزو لکھنوی اور جلال لکھنوی کے مکتبۂ فکر کے خاص نمائندے ہیں تاہم انہوں نے فقط احترامِ روایت ہی کو کافی نہ سمجھا بلکہ عصری تحریکات اور عمرانی تقاضوں کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی۔

______"

(آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی ص ۱۰۱)

اس طرح ڈاکٹر شبیہ الحسن کسی فن پارے جب نقد و نظر سے دیکھتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ عمرانی قدریں کہاں کتنی اثر انداز ہوتی ہیں۔ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور باقی تمام سماجی عناصر ادب میں پوشیدہ ہوتے ہیں لہٰذا ماحول ادیب کے ذہن میں اپنی تاثیر باقی رکھتا ہے اور ادیب ان سے ممتاز ہو کر انہیں لفظوں کی صورت میں قاری کے سامنے لاتا ہے۔ معاشرے کی چیخ پکار اور حالات کی تلخی کی کڑواہٹ ادیب کی تخلیقات میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ جب معاشرہ آشوب زدہ ہو تو ادیب کے لفظوں میں معاشرے کا کسیلا پن بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح اچھا ادیب اپنے عہد کی نمائندگی کرتا ہے اور نقاد اس عہد کی شناخت کرتا ہے۔ اسلم کولسری کی شعری تخلیقات میں معاشرتی آشوب اور سماجی صورت حال کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"______

اسلم کولسری نے زندگی کے درو الم کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ انہوں نے معاشرتی آشوب کے ان مناظر کو بھی بیان کیا ہے جو معاشرے کو

دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔اس موقع پر اُن کا سب لہجہ ترش ہو جاتا ہے اور وہ زندگی کی کثافتوں کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

"____

(جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ، لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ص ۳۰)

ادیب دنیا کو ایک معصوم بچے کی طرح دیکھتا ہے اور دم توڑتی انسانی قدروں کی کسک اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ پھر اس میں اپنے احساس کا رس ملا کر اُس کو پیش کرتا ہے۔عصر حاضر میں انسان مادہ پرستی کا شکار اور روحانی اعتبار سے تہی دامن ہو رہا ہے۔ایسے میں ادیب ان حالات کو وسیع تناظر میں دیکھتا ہے اور ان کربناک لمحات کو قلم بند کر دیتا ہے۔شاعر خود بھی مسائل کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے اور پھر ان مسائل کو وسیع تناظر میں دیکھتا ہے۔اس طرح معاشرتی آہ و بکا کی آواز شاعر کی زبان سے نکلتی ہے تو اس کی تفہیم کے لیے ڈاکٹر شبیہ الحسن قلم اُٹھاتے ہیں۔وہ رقم طراز ہیں:

"____

اسلم کولسری نے اپنے افکار عالیات کو بین الاقوامی تناظر میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔انہوں نے ذات کو آفاق اور وطن کو کائنات کے حوالے سے دیکھنے اور پرکھنے کی ضرورت کا احساس اُجاگر کیا ہے۔

"____

(جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ، ص ۱۳۱)

اسی بات کو ڈاکٹر شبیہ الحسن کی سوچ کے مطابق یوں کہہ لیجیے کہ ادیب اپنے عہد کو اپنے افکار میں سموتا ہے اور اُن کی نشاندہی وسیع النظری سے کرتا ہے۔

کسی بھی عہد کی شعری فضا اُس دور کے سیاسی وسماجی اور معاشرتی پس منظر کی حامل ہوتی ہے۔شاعر اپنے عہد کے واقعات کو جن کا تعلق سیاست، معاشرت یا داخلی

حیات سے ہوا اپنے الفاظ میں سمو دیتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن شعر و ادب میں سماجی مداخلت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"

بیسویں صدی کی شعری فضا ایک خاص طرزِ فکر و احساس اور سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی پس منظر کی حامل ہے۔ برصغیر کی سیاسی جدوجہد، معاشرت اور تہذیب میں انقلابی تبدیلیاں اور مغرب سے آنے والے فکری تصورات یہ سب مل کر بیسویں صدی کا شعری منظر نامہ مرتب کرتے ہیں۔

"

(بیسویں صدی کا شعری ادب، ص ۵)

کسی بھی عہد کی فضا شعری ماحول پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ شاعر اپنے گردوپیش میں ہونے والے واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔ اُس کا ذہن معاشرتی سانحات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ اس طرح ایک ادیب خاص طور پر شاعر اپنے اشعار میں معاشرتی کرب اور المنا کی کو بیان کرتا ہے۔ وہ نسیم سید کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:

"

"نسیم سید کی شاعری میں ذاتی کرب اور معاشرتی آلام یکجا ہو گئے ہیں۔ نسیم سید کا کمال ہنر یہ ہے کہ انہوں نے ذاتی غم کو وسعت دے کر آفاقی غم بنا دیا ہے۔"

"

(تصریحات، ص ۱۰۹)

وہ محض شعر یا ادب پر ہی تنقید کرتے ہوئے عمرانی عناصر تلاش نہیں کرتے بلکہ

خود بھی عصرِ حاضر کی دگرگوں حالت میں انسان کے تلخ حالات پر کفِ افسوس ملتے ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ معاملہ معاشرے کا ہے اس لیے وہ معاشرتی معائب کے لیے تعمیری تنقید سے کام لیتے ہیں اور مفید آراسے بھی نوازتے ہیں۔

بہت سے نقادوں نے اپنے مضامین میں عصری حسیت کے پہلو جلوہ گر کیے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے بھی یہ کام کیا ہے مگر انہوں نے اس ڈھب اور اسلوب سے کیا ہے کہ اُن کا اختصاص بن گیا ہے۔ وہ کسی شاعر یا ادیب کی تخلیق سے محض چند عصری حوالے پیش کر دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ مکمل عصری پس منظر بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ ادیب کی تخلیق کا تاریخ وار مطالعہ کرتے ہیں۔ اُس کا ماحول اور اُس کے سوانحی حالات کو پیش کرتے ہیں اور پھر تاریخ و ماحول کے حوالے سے ادیب کے ادب میں تہذیب و ثقافت کے موتی چنتے ہیں۔ عام نقاد کا انداز عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس شاعر یا ادیب کا رجحان ثقافتی ہے تو ظاہر ہے اِس کی شاعری میں بھی یہ رنگ ہوگا مگر ڈاکٹر صاحب ممکنہ حد تک تمام اصناف ادب کا مطالعہ فرماتے ہیں اور پھر اُس میں ثقافتی رنگ الگ کرتے ہیں اُن کی قیصر بارہوی کے بارے میں یہ رائے ملاحظہ فرمائیں:

”

> ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیصر بارہوی نے بھی پاکستانی طرزِ احساس اور کربلا کے اثرات کو ایک دوسرے میں جذب کر کے مرثیوں کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب اگر ہم چاہیں تو ان مرثیوں میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ پاکستان کی اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔

“

(ترجیحات ص ۱۳۰)

ہمارے ہاں آج کل ادیب حضرات کے ہاں غمِ جاناں کی کثرت ہے اور غمِ دوراں کی قلت۔ لیکن اس عالم میں بھی کچھ ادیب ایسے بھی ہیں جو زمانے کی تہذیب و ثقافت اور اردگرد کے حالات کی تصویر بصورت الفاظ پیش کرتے ہیں کیونکہ ایک اچھا ادیب اُسی صورت میں اعلیٰ ادب تخلیق کر سکتا ہے جب وہ اپنی آنکھیں باہر کی طرف بھی کھول دیتا ہے۔ وہ غمِ دوراں اور غمِ جاناں کو ملا کر اپنے ادب کا خمیر پیدا کرتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنی دقت نظری سے عصری حسیت رکھنے والے اشعار اور نثری حوالے الگ کر لیتے ہیں اور پھر اُن کو مختلف تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ یہی اُن کی عصری تنقید کا اختصاص ہے کہ وہ عصری حسیت کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں۔

وہ زمانے کے اندر پائی جانے والی تخریب کاریوں کے خلاف قلم اُٹھانے والے ادیب کو خراج تحسین بھی پیش کرتے ہیں اور معاشرتی رویوں کے بارے میں بیم ورجا کو بھی واضح انداز میں سامنے لاتے ہیں۔ وہ خالد محمود امر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"——

> دوسری سطح پر خالد محمود امرؔ نے اپنے دیس کو داخلی برائیوں اور خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے قلمی جہاد کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے برائیوں کی بیخ کنی کی ہے اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے فروغ کے لیے اپنی بہترین فکری صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ وہ پُر امید ہیں کہ جلد یا بدیر معاشرہ داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

——"

(تصریحات، ص ۲۳۶)

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے عصری تنقید کے وسیع کینوس کو وسیع تناظر میں اپنے سامنے رکھا اور اُس پر نقد و نظر سے روشنی ڈالی لہٰذا یہ تنقید بھی اُن کی تنقید میں واضح

انداز اور تاثیرانہ اسلوب میں سامنے آتا ہے۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی کے نامور ترقی پسند پروفیسر ممتاز حسین کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"ــــــــ

''آلِ رضا کا فن غزل گوئی'' کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ شبیہ الحسن صاحب نے وہ تمام معلومات آلِ رضا صاحب کی زندگی اوران کی گوناں گوں تخلیقات سے متعلق فراہم کر دی ہیں جن سے ان کے مقام کو اُردو غزل گو شعراء کے درمیان بالخصوص متعین کیا جا سکتا ہے مگر شبیہ الحسن صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ آلِ رضا کی غزل گوئی کو لکھنؤ کے مخصوص رنگ تغزل اور وہاں کے شعرائے متاخرین کی شاعری کے پس منظر میں بھی پرکھا اور جانچا ہے۔ کتاب کے اس حصے کو پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ شبیہ الحسن صاحب کا تنقیدی شعور بہت واضح، بچا تلا اور تیکھا ہے۔ وہ نہ تو اس رجحان کو پسند کرتے ہیں کہ کلام تمام تر لفظی شعبدہ گری کا حامل ہو یا تمام تر روایتی ہو اور اس میں روایت سے سرمو انحراف نہ پایا جائے، اور نہ وہ اس جدت پسندی کے قائل ہیں کہ جدید غزل کو اپنی فضا، معنویت اور ساخت میں ماضی کے تجربات سے بالکل ہی بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ اس کے برعکس جہاں وہ غزل میں نئی معنویت یا انفرادی تجربات کے اظہار کو پسند کرتے ہیں وہاں وہ غزل میں ایک ایسا رچا ہوا انداز بیان بھی دیکھنا چاہتے ہیں جو ماضی میں اچھی غزلوں کا طرۂ امتیاز تھا اور جسے اس دور میں فراق، فیض اور دوسرے شعرا نے برتا ہے چنانچہ اپنے اس تنقیدی شعور کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے آلِ رضا کی غزل گوئی کی خصوصیت کو اُبھارا ہے۔

ــــــــ"

(آلِ رضا کا فن غزل گوئی۔ فلیپ)

ادب میں نفسیات کا خاصہ عمل دخل ہے۔ اصل میں نفسیاتی تنقید کے تحت ہم کسی شخص کی تحلیلِ نفسی کرتے ہیں اور اُس کے اُن عوامل کا جائزہ لیتے ہیں جو بظاہر اُس کی ذات اور تخلیق میں پوشیدہ ہوتے ہیں لہٰذا نفسیاتی تنقید میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تحریر کے پیچھے کون سے عوامل و عناصر کارفرما ہیں جو تخلیق کار کی مادی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جب ہم ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقیدات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے مختلف پہلوؤں اور جہات میں ایک پہلو اور جہت نفسیاتی تنقید سے ان کی بے پناہ دلچسپی ہے۔ وہ جب بھی کسی بڑے ادیب پر قلم اٹھاتے ہیں تو اُس کی تحریر میں پوشیدہ عناصر کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی یہ مساعی کامیاب ہوتی ہیں۔

ہم اُن کی تحریروں کا مطالعہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ اُس میں بہت سے ایسے نفسیاتی پوشیدہ عناصر کارفرما ہوتے ہیں جو تخلیق کار کی ذہنی اُپج کو واضح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ادیب کی ذات کا تجربہ اور ذہن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ ایک جگہ رقمطراز ہیں:

"____

> شاعر ہو یا ادیب وہ عوامی شعور سے اپنا ذاتی شعور منسلک رکھتا ہے۔ اُس کی تخلیقات میں معاشرتی حالات و واقعات و سماجی عیوب و محاسن اور تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

____"

(تصریحات، ص ۱۱)

اس طرح ڈاکٹر شبیہ الحسن ادیب کے شعور کے تمام روابط کی تحقیق کرتے ہیں اور کھوج لگانے کے بعد اپنے ذہن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور پھر قلم اٹھاتے ہیں۔ وہ ادیب کی نفسیاتی کشمکش، اُلجھن، مشکلات اور تمام محرکاتِ ذہنی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ہر

ادیب اپنے ذہنی سرمایہ میں اپنے تجربات، احساسات اور تاثرات کو جمع کرتا ہے اور نقاد ادیب کا ذہنی تجزیہ کرتے ہوئے اسباب کا کھوج لگانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ ڈاکٹر آغا سہیل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"ـــــ

> آغا سہیل کے افسانوں میں نفسیاتی ژرف بینی بھی ملتی ہے۔ ان کے بیشتر افسانے نفسیاتی کشمکش کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ نفسیاتی کشمکش کبھی جنسی الجھاؤ کے سبب سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اس کا محرک معاشرتی ہیجان خیزی بنتی ہے۔

ـــــ"

(آغا صاحب ص۱۴)

وہ نفسیاتی مطالعے میں بطور نفسیاتی نقاد اپنے فرائض کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی مقرر کردہ حد سے باہر نہیں جاتے۔ وہ ادیب کے فکری محرکات کے کینوس کا جائزہ لیتے ہیں اور چھان بین کرنے کے بعد اپنے نظریات کو قرطاسِ ابیض پر اُتارتے ہیں۔ یوں اُن کی رائے دلائل کے ساتھ اپنی موزونیت میں اضافہ کرتی ہے۔

ہر انسان کے ذہن میں دو جذبے کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک غم اور دوسرا خوشی۔ غم اور خوشی کے یہ جذبات ایک دوسرے پر غالب آتے رہتے ہیں۔ ادیب ان دونوں جذبات کے ماتحت رہ کر ادب تخلیق کرتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ان دونوں جذبوں کی حقیقت اور ادب میں اہمیت والے ادیب ذہنی افکار میں تحریک کا سبب بھی یہ دونوں بنتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ان دونوں جذبات کے ادب اثرات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"ـــــ

> انسانی زندگی غم و نشاط سے عبارت ہے۔ غم کے اظہار کی ادبی صورت

الیہ اور نشاطیہ کی طربیہ ہے۔ وصی الحسن نقاش نے اپنے مجموعہ میں ان دونوں صورتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ ان کے کلام میں الیہ سلام اور طربیہ منقبت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

"_____

(تصریحات، ص ۱۱)

ادیب کے فن پارے کی تشکیل میں طبیعاتی اور مابعد الطبیعاتی دونوں عناصر کارفرما ہو سکتے ہیں۔ مابعد الطبیعاتی عناصر میں غم و خوشی کے جذبات تحریک بنتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ان عناصر کا کھوج ہی نہیں لگاتے بلکہ ادیب نے کون سا جذبہ کس صنف میں استعمال کیا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے، ان تمام باتوں کا مدلل جواب فراہم کرتے ہیں۔ کوئی ادیب یا شاعر جب وسیع النظری سے اپنے اردگرد کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کے فن پاروں میں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ادیب کا ذہنی مطالعہ کرتے ہوئے اُس کے ذہن میں پوشیدہ موضوعات کو سامنے لاتے اور وجوہات کا کھوج لگاتے ہیں۔ وہ شکیل جاذب کے نفسیاتی تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

"_____

وہ حالات کے سامنے مجبور نہیں ہوتے بلکہ جرأت رندانہ کے ساتھ ستم کیش حالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور طرح طرح سے معاشرے کے ظلم وستم کو بیان کرنے کے بعد استفسار کرتے ہیں کہ زمانے نے گزشتہ حق پرستوں کا کیا بگاڑ لیا تھا جو وہ اب ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔

"_____

(تصریحات، ص ۱۸۷)

ڈاکٹر شبیہ الحسن شاعر یا ادیب کی تخلیقات کا بغور جائزہ لیتے ہیں ازاں بعد اُس کی تخلیقات کے ارتقائی سفر پر نظر ڈالتے ہیں جس سے شاعر یا ادیب کی زندگی کے

بارے میں رائے دینا آسان ہوتا ہے۔ وہ اپنا کام یہیں ختم نہیں کرتے بلکہ جب نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں تو اپنی بات کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے ادیب یا شاعر کی تخلیقات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جب کسی شاعر کا نفسیاتی اور اُس کی تخلیقات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ شاعر موروثی شاعر ہے یا اُس کی شاعری میں ریاضت کا عنصر موجود ہے وہ جاوید صدیق بھٹی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"____

جاوید صدیق بھٹی کی شاعری الہامی نہیں کہ اس میں خامیاں تلاش نہ کی جا سکیں مگر یہ سچ بھی ہے کہ انہیں شاعری ورثے میں نہیں ملی بلکہ انہوں نے ریاضت سے یہ کمال حاصل کیا ہے۔

____"

(تصریحات، ص ۲۱۸)

نفسیاتی جائزے میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شاعر یا ادیب نے اپنی تخلیقات میں کن کن موضوعات کو زیادہ سمویا ہے۔ ان کی شدت اور تکرار سے اندازہ لگانا بہت آسان ہوتا ہے کہ شاعر نے آخر اپنی تخلیقات میں ایسے موضوعات کو کیوں بیان کیا۔ ظاہر ہے ایک ادیب یا شاعر اپنی فنی کاوشوں میں موضوعات کو اس لیے بیان کرے گا کہ اُن کا اس سے جذباتی تعلق ہے۔ ضیاء الرحمٰن فاروقی کے بارے میں آپ اُن کی یہ رائے دیکھئے جو نفسیاتی تجزیہ کا اظہار کرتی ہے:

"____

ضیاء الرحمٰن فاروقی کی نظموں میں غزلوں کی نسبت جسم، جنس، لذت، بوسے، مے اور عارض وغیرہ کا ذکر اُن کی عشقیہ سرمستی اور بے خودی کی دلیل ہے۔ ان تمام لفظیات کے استعمال کے باوجود ضیاء الرحمٰن فاروقی

کا اختصاص یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری کو عامیانہ جذبات اور رکیک
خیالات سے کوسوں دور رکھتے ہیں۔

"______

(تصریحات، ص ۲۳۶)

انسان کا ذہن انسان کا ماحول بناتا ہے۔ ماحول کے ساتھ ساتھ انسان کے ذہنی محرکات میں اُس کی وراثت کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ جب بھی ہم کسی شاعر کا ارتقائی جائزہ لیتے ہیں تو اُس کے ماحول کے واقعات وسانحات شاعر کی تفہیم آسان بنا دیتے ہیں۔ انسان کے ذہن میں جو محرکات لفظ بن کر قرطاس ابیض پر اُترتے ہیں یہ انسان کے ذہن کے پوشیدہ گوشے ہوتے ہیں جو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اردگرد کے واقعات اگر ہم میر و غالب اور اقبال کی شاعری میں دیکھ سکتے ہیں کہ میر و غالب نے دلی کے اُجڑنے پر اشک باری کی اور اقبال نے مغرب اور مشرق کے تضادات کا واضح اظہار اپنے اشعار میں کیا۔ آج کے شعرا کے اردگرد واقعات اُس کے ذہن پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان کا موروثی اثر بھی انسان کی ذہنی تحریکات میں واضح نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنی نفسیاتی تنقید میں ایسے ہی پوشیدہ گوشوں کے دروا کرتے ہیں۔ آپ اُن کی نسیم امروہوی کے بارے میں یہ رائے دیکھیں:

"______

نسیم امروہوی کو شعری ذوق ورثے میں ملا تھا۔ اُن کے ننھیال اور ددھیال دونوں میں اہل علم و ادب کی بہتات تھی اور خاص طور پر اُن کے ددھیال میں بعض یگانہ روزگار شخصیات پیدا ہوئی تھیں۔ شاعری کا سلسلہ چار نسلوں سے متواتر چلا آ رہا تھا۔ نسیم امروہوی کے جد امجد خادم حسین ایک صاحب طرز مرثیہ نگار تھے۔ اُن کے بیٹے حیدر حسین یکتا

بھی مرثیہ نگار تھے اور اُن کو حضرت امام حسینؑ سے بے پناہ عقیدت و اُلفت تھی۔ یہی عقیدت مودّت کا روپ دھار کر اُن کے صاحبزادے جواد حسین شمیم کے رگ و پے میں سما گئی اور وہ تمام عمر حضرت امام حسینؑ کی مداحی کرتے رہے۔ شمیم امروہوی صاحب طرز ادیب، شاعر اور بے مثال مرثیہ نگار تھے اور انہیں شاعرانہ خوبیوں کی وجہ سے ''فرزدقِ ہند'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ ان کے صاحبزادے اور نسیم امروہوی کے والد برجیس حسین برجیس ایک مردِ مومن اور کامیاب مرثیہ گو تھے۔ ان کے بے شمار مراثی آج بھی اہلِ سخن سے داد وصول کر رہے ہیں۔ نسیم امروہوی نے اپنے دادا شمیم کے زیرِ تربیت شاعری کا آغاز کیا۔

___''

(ترجیحات ص:۶۶)

ماحول ادیب کی ذہنی نشو و نما کرتا ہے اور یہی ذہنی نشو و نما افکار کو جنم دیتی ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کسی ادیب کی تخلیقات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کے سوانحی کوائف، تعلیم، مشاغل اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ادیب کی ذہنی حالت کا عکس سامنے آ جاتا ہے۔ اس طرح جب ادیب کسی شاعر یا ادیب سے متاثر ہوتا ہے تو اُس کے اثرات بھی تخلیقات میں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن جب شاعر کی تخلیقات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھتے ہیں کہ ادیب کا ذہن کیسے اور کن حالات میں تشکیل پایا ہے تاکہ فن پارے کے بارے میں اُن کی رائے مستند ہو۔ اسی لیے وہ نفسیاتی تنقید میں ادیب کا مکمل محاکمہ کرتے ہیں۔ مگر اُن کے یہاں یہ بھی کہ وہ اس نفسیاتی تنقید میں تحقیق کا سہارا لے کر بات کو ثابت کر کے پیش کرتے ہیں۔

جب کوئی نقاد کسی تحریر کو پڑھتا ہے تو وہ تحریر نقاد کے ذہن پر اثر پیدا کرتی ہے۔

یہ اثر مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی۔ جب نقاد اسی اثر کو بنیاد بنا کر لکھتا ہے تو اُسے تاثراتی تنقید کہتے ہیں۔ یہی تاثراتی تنقید ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ہاں دیکھنے میں ملتی ہے۔ وہ کسی فن پارے کو سرسری نہیں پڑھتے بلکہ بنظرِ غائر دیکھتے ہیں۔فن پارے کو دیکھنے کے بعد اپنے ذہن پر اُس کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، اُن پر روشنی ڈالتے ہیں اور تاثیر کا سبب بیان کرتے ہیں۔ وہ جس صنفِ ادب کا بھی مطالعہ کرتے ہیں تو اُس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی بتاتے ہیں کہ تخلیق نے اُن کو کیوں متاثر کیا یا وہ تخلیق سے کیا اثر حاصل کر سکے۔

یہاں جو امتیاز اُن کے ہاں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس تاثیر کو آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کر لیتے بلکہ اُس تاثیر کو مثبت یا منفی ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح وہ تحقیقی امداد سے اپنی تاثیر کو مستند قرار دینے کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔ وہ فرحت اللہ بیگ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"۔۔۔۔

> فرحت کی مزاح نگاری کا خاص وصف یہ ہے کہ وہ قاری کے سامنے نہ تو واعظ کی صورت میں آ کر طنز یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں اور نہ فلسفی بن کر اس پر اپنے فلسفیانہ افکار کے تیر برساتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو خالصتاً مزاح نگار کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس خوبی کے سبب اُن کے ہاں تکلف اور تصنع پیدا نہیں ہوتا۔

۔۔۔۔"

(مفاہیم، ص ۱۶)

اب یہاں اُن کی فرحت اللہ بیگ کے بارے میں رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرحت اللہ بیگ کا سادہ الفاظ میں تصنع سے پاک بناوٹ کا انداز اُن کو اپنی طرف

مائل کرتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن محض اپنے ذوق ہی کو مدنظر رکھ کر تنقید نہیں کرتے بلکہ تحریر کی جو خوبی بھی قابل تاثیر ہوتی ہے وہ اُسی کو محسوس کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں۔ اس طرح تخلیق کار کی پوشیدہ خصوصیات یا خامیاں بھی سامنے آ جاتی ہیں جو عام قاری کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ ایک عام قاری کی طرح عام تاثر نہیں لیتے بلکہ تحریر میں شامل جتنی بھی خوبیاں اُن کو متاثر کرتی ہیں وہ تمام کی تمام اپنے سادہ اور عام فہم اسلوب میں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ظفر علی خاں کی نعت نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"——

> ظفر علی خاں کی نعت میں جذبات بکثرت ملتے ہیں۔ یہ جذبہ مختلف روپ دھار کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ کہیں تو یہ جذبہ جوش بیان کی شکل میں اُجاگر دکھائی دیتا ہے اور کہیں اُس کا اظہار طنزیہ صورت میں ہوتا ہے ...... میرے خیال میں ظفر علی خاں نے یہ جذباتی لب و لہجہ قارئین میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے عمداً استعمال کیا ہے۔ انہوں نے ایسی تراکیب اور لفظیات کا استعمال کیا ہے جن سے تحرک پیدا ہونا لازم ہے۔

——"

(مفاہیم، ص ۸۰)

اُن کے ظفر علی خاں کے بارے میں اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی تخلیق کی محض ایک یا دو خوبیوں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ یہاں انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ظفر علی خاں کی نعت میں جوش و جذبے کے بیان اور تراکیب و لفظیات بھی تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح سے وہ کسی بھی ادیب کی تخلیق میں مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں جو قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ یہاں انہوں نے ایک اور طرف بھی دھیان دلایا ہے کہ تحریر کی کون سی خوبی دوسروں کو متاثر کر سکتی ہے۔ وہ حفیظ کے گیتوں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"—

حفیظ کے گیتوں میں نہ تو موضوع اتنا خشک ہوتا ہے کہ بوجھل محسوس ہونے لگے اور نہ اسلوب اتنا منفرد ہوتا ہے کہ مضحکہ خیز بن کر رہ جائے وہ موضوع اور اسلوب دونوں کو اس انداز سے لے کر چلتے ہیں کہ افسردگی اور تنہائی میں بھی ایک خاص انداز کی نغمگی اور دل آویزی پیدا ہو جاتی ہے۔یہی حفیظ کا کارنامۂ خاص ہے اور یہی انکا خاص وصف۔

—"

(مفاہیم، ص ۹۸)

اس طرح ڈاکٹر شبیہ الحسن صرف موضوع کی تاثیر ہی کو پیش نہیں کرتے بلکہ اسلوب اور ترنم کی دل آویزی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔یہاں حفیظ کے اسلوب اور اُن کی نغمگی اور دل آویزی جو افسردگی اور تنہائی میں بھی ایک لطفِ خاص پیدا کر دیتی ہے کو بیان کیا گیا ہے۔جب کوئی تخلیق کار اپنے اسلوب یا موضوع کو اس انداز سے پیش کرتا ہے تو اُس میں بھی ایک جدت اور نیا پن پیدا ہوتا ہے،تو یہ بھی تاثیر پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

جب کوئی ادیب موضوعات کے تنوع کو عصری شعور کے ساتھ پیش کرے گا اور لسانی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر شاعری کرے گا تو یقیناً اُس کی تاثیر قاری کے ذہن پر مرتسم ہوگی مگر ڈاکٹر شبیہ الحسن جیسا نقاد اس تاثیر کو کیسے بیان کر کے خوبیوں کو اُجاگر کرتا ہے۔ڈاکٹر شبیہ الحسن کی آلِ رضا کے بارے میں یہ رائے ملاحظہ فرمایئے:

"—

ان کے ہاں موضوعات کا تنوع اس بات کا غماز ہے کہ وہ عصری شعور کو جدید رجحانات،میلانات سے آگاہ رہے ہیں اور انہوں نے اس بات

کی کاوش کی ہے کہ وہ جدید دور کے ساتھ قدم بہ قدم چلیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس عہد کی فنی پختگی اور لسانی آگہی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی غزلوں میں زبان و بیان کے مروجہ طور طریقوں کو نہایت سلیقے سے برتا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں ان کی غزل میں اسالیب کے مختلف زاویے اور ذرائع ملتے ہیں۔

"——

(آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی، ص ۱۶۰)

آپ نے دیکھا کہ انہوں نے تاثیر کو کس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ تشبیہ، استعارے اور تصنع بھی تحریر میں چاشنی پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں اور یہی تاثیر نقاد کے ذہن میں جگہ بناتی ہے جب کوئی بڑا شاعر نئے موضوعات کو اچھوتے انداز میں پیش کرتا ہے اور تشبیہ و استعارے کے برمحل استعمال سے اپنے اشعار میں کشش و تاثیر پیدا کرتا ہے تو یہ خوبی ڈاکٹر صاحب کی وسعت نظری کے دائرے سے باہر نہیں جاتی۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ایک بڑے شاعر کے تخیل سے ہو کر لفظوں کی صورت میں آتی ہیں تو اپنا رنگ نمایاں کرتی ہیں۔ ایک بڑے شاعر کی یہی خوبی ہے کہ وہ تشبیہ، استعارے کے برمحل استعمال سے اپنے اشعار میں شیرینی پیدا کرتا ہے اور اسی شیرینی کی تاثیر ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ معروف شاعر سید وحید الحسن ہاشمی کے بارے میں آپ اُن کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"——

سید وحید الحسن ہاشمی کے سلاموں میں علمِ بیان اور علمِ بدیع کے نمایاں ارکان تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر تشبیہات اور صنعت تضاد کا برمحل استعمال ان کے کلام کے لطف کو دوبالا کرنے کا سبب بنتا

ہے..... جہاں اُن کے صنائع بدائع کے استعمال سے شعر کے حُسن میں اضافہ ہو وہاں وہ اسے استعمال کرتے ہیں۔ وہ محاسنِ شعری کو شاعری کا زیور سمجھتے ہیں مقصود نہیں۔ اسی طرح محاورات اور روزمرہ کے برمحل استعمال نے بھی ان کے سلاموں کے حسن میں بے پناہ اضافہ کیا۔
"—

(طاہرین ص ۱۸۸)

موضوع کی تاثیر اپنی جگہ مسلّم مگر محاسنِ شعری کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ کوئی بڑا شاعر اپنی شاعری میں فنی پختگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اگرچہ وہ سیاست اور معاشرے کے حالات ہی کیوں نہ پیش کر رہا ہو۔ وہ سیف زلفی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"—

سیف زلفی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شعری تخلیق میں فن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ سیف زلفی نے اپنے سیاسی افکار و نظریات کو مختلف علامات و اشارات میں پیش کیا ہے۔ اس طرزِ عمل نے سیف زلفی کی شاعرانہ حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔
"—

(جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی ص ۵۵)

اگر کسی ادبی فن پارے میں کہیں حق گوئی کی بات ہوتی ہے اور ادیب زندگی کے بارے میں واضح نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ جب کوئی ادیب اپنی تخلیق میں ان پہلوؤں کی طرف دھیان کے پٹ کھولتا ہے تو یہ اُس کی تحریر میں تاثیر پیدا کرنے کا ایک طریقہ اور مثبت حربہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے آغا سہیل کے بارے میں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"------

ڈاکٹر آغا سہیل زندگی اور ادب کے بارے میں ایک واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ وہ معروضیت کے قائل ہیں اور ترقی پسندانہ نظریات کے باعث وہ جمود کے خلاف ہیں۔ حق گوئی اور تمرّد کے خلاف اظہار خیال کرنا اُن کا شیوہ ہے۔

------"

(تصریحات ص ۲۹)

آپ نے دیکھا کہ وہ تحریر میں موجود ہر طرح کی تاثیر کو کس طرح نکالتے ہیں اور اُس کے ذائقے کی تشریح کرتے ہیں۔ ایک عام قاری، ادیب یا نقاد جب کسی تحریر کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ شاید اتنی گہرائی تک نہیں پہنچتا جتنی گہرائی تک ڈاکٹر شبیہ الحسن پہنچتے ہیں۔ عام نقاد تحریر کا جائزہ لے گا لیکن ڈاکٹر شبیہ الحسن جب کسی تحریر کو پڑھتے ہیں تو غور و فکر سے اُس کا ہر طرح سے تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں کہ لکھنے والے نے کس مقصد یا نفسیاتی حالات و تجربات کے تحت لکھا ہے۔ وہ تحریر کو پڑھتے ہوئے اُس کے تمام ممکنہ مفاہیم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ازاں بعد اُس کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی ادبی فن پارے سے حاصل کردہ تاثیر صرف اُن تک باقی نہیں رہتی بلکہ وہ دوسرے قاری کے ذہن پر بھی اثرات مرتب کرتی ہے۔ رومانویت کی دنیا میں تاثیرِ مسلسل زیادہ نہیں ہوتی۔ جب کسی شاعر یا ادیب کی شاعری یا تخلیق میں وطن سے دوری کا سوز موجود ہو تو اس میں بھی ایک غریب الوطنی اور دوری کا درد اپنی تاثیر پیدا کرتا ہے۔ اسی تاثیر کو ڈاکٹر شبیہ الحسن کس طرح محسوس کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

"

اشفاق حسین وطن سے دور رہ کر بھی تخیلاتی سطح پر وطن ہی میں موجود رہتے ہیں۔ انہیں اپنے وطن کا ماحول، طرزِ بود و باش، رسم و رواج، کلچر، رویّے اور طرزِ احساس سے بے پناہ رغبت ہے۔ جب وہ عملی اور جسمانی طور پر وطن نہیں پہنچ پاتے تو وہ تخیلاتی سطح پر پردیس میں اپنا دیس سجا لیتے ہیں۔

"

(تصریحات ص ۹۷)

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحریر کے اندر معنوی سطح پر کئی مفہوم چھپے ہوتے ہیں۔ اگر ایسی تحریر کو پڑھیں تو فوری طور پہ تو شاید وہ ایک ادیب یا قاری کے ذہن پر اپنا نقش ثبت نہ کر سکے مگر اُس کا جب باطنی جائزہ لیا جائے یا دھیان کے پٹ کھول کر اُس کو دیکھا جائے تو اُس میں ایک فلسفۂ حیات اور کئی مربوط خیالات نظر آتے ہیں جو ہمیں سوچنے، سمجھنے اور فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقیدی عظمت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ بہت سوچتے ہیں، تحریر کے باطن تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور مشکل باتوں اور مطالب کو آسان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز کے بارے میں اُن کی یہ رائے دیکھیے:

"

ڈاکٹر طارق عزیز کے نزدیک خواب ایک ایسی حقیقت ہے جو بے نور آنکھوں کو بینائی عطا کر دیتی ہے۔ یہ خواب کور آنکھوں کو زندگی بخش نظارے دکھانے کا سبب بنتے ہیں۔

"

(تصریحات، ص ۱۱۱)

خواب بظاہر زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہوتے لیکن آپ دیکھئے کہ انہوں نے کتنی دقت نظری سے ڈاکٹر طارق عزیز کی شاعری میں خواب کے موضوع کو سوچا، سمجھا اور پھر اُس کی تاثیر ہمارے ساتھ بانٹی۔

جب کوئی شعر لفظی اور معنوی دونوں خوبیوں سے مزین ہو تو اُس کی تاثیر یقینی ہوتی ہے لیکن اِس لفظی اور معنوی خوبیوں کی تہہ میں چھپے ہوئے مفاہیم پر جب غور کیا جائے تو تاثیر دو چند ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس تحریر کو دو چند کرنے میں نقاد کا کام زیادہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن تینوں حوالوں سے ہی تاثیر حاصل کرتے ہیں اور لفظی و معنوی اور باطنی مفاہیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ اُن کی وصی الحسن نقاش کے بارے میں یہ رائے ملاحظہ فرمائیں:

”

شاعر کی شاعری کو فکر، بلند آہنگی اور علوئے مرتبت بخشتی ہے۔ تجربہ الفاظ و تراکیب کا پہاڑ نظروں کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے مگر فکر اس پہاڑ کے حسین نظاروں سے روح و دل میں اُتر جانے والی کیفیات کو اور پُر فریب اور پُر اثر بنا دیتی ہے۔ نقاش کے اکثر اشعار نہایت سادہ اور آسان ہیں۔ مگر ان میں تہہ داری کی ایک رو جاری و ساری ہے۔ یہی پہلو دار اشعار اُن کی فکری توانائی کی دلیل بن گئے۔

“

(تصریحات، ص ۱۵۷)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اپنی تنقید کی بنیاد تحقیق پر استوار کرتے ہیں۔ پہلے وہ موضوع کے انتخاب میں خوش سلیقگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، پھر وہ اس موضوع کے بارے میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد یکجا کرتے ہیں اور اس کے بغور

مطالعہ کے بعد وہ اپنا واضح نقطۂ نظر وضع کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مضامین میں حتمیت دکھائی دیتی ہے۔ وہ ''واللہ اعلم بالصواب'' یا ''تحقیق کی راہیں کشادہ ہیں'' یا ''صلائے عام ہے'' جیسے تصورات کی پیش کش سے گریز کرتے ہیں۔ تنقید میں یہ قطعیت صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ ناقد کو اپنے اوپر اعتماد اور یقین ہو۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک پر اعتماد نقاد ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے ایک مضمون ''آلِ رضا کے سنِ ولادت کا حتمی تعین'' میں رقم طراز ہیں:

''۔۔۔۔۔۔

آلِ رضا کی ادبی و شعری کارگزاریوں کے احاطے کے لئے جب ہم نے ۱۹۸۰ء میں ایم۔ اے کی سطح پر باقاعدہ تحقیقی کام شروع کیا تو آغاز ہی میں ہم پر منکشف ہوا کہ آلِ رضا کے سنِ ولادت کے بارے میں مرتبین، مصنفین اور ناقدین میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ سنِ ولادت کے حتمی تعین کے لئے ہم نے مختلف اصحاب کے پیش کردہ سنین کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ آلِ رضا کا سنِ ولادت ۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۶ء کے درمیان کہیں متعین ہوتا ہے۔ ان سنین کی موجودگی میں کسی بھی سن سے اختلاف یا اتفاق اپنی سطح پر ہمارے لئے ایک عرصے تک پیچیدہ مسئلہ بنا رہا۔ بہر حال ہم نے اپنی مقدور بھر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اور تحقیق و تدوین کے مروجہ اصولوں کی روشنی میں آلِ رضا کے سنِ ولادت کے حتمی تعین کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ ہم اس کاوش میں کہاں تک سُرخرو ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ اب ذیل میں آلِ رضا کے سنِ ولادت کے بارے میں پیش کردہ آراء کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں حتمی رائے پیش کی جائے گی۔

۔۔۔۔''

(ترجیحات، ص ۴۸)

یہ اور اسی قبیل کے دیگر مضامین ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تحقیق و تنقید کے امتزاج کی بہترین مثال ہیں۔ یاد رہے کہ صرف اس ایک مضمون کی تشکیل کے لیے انہوں نے پچاس سے زیادہ حواشی پیش کیے ہیں۔ اس مضمون کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالکریم خالد رقم طراز ہیں:

''

''آلِ رضا کے سنِ ولادت کا حتمی تعین'' ایک خاص تحقیقی مضمون ہے۔ اگر چہ ہمارے جدید ناقدین اس نوع کے تحقیقی موضوعات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور اسے بے کار لوگوں کا مشغلہ قرار دیتے ہوئے ''گورکنی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک فاضل نقاد نے تو تحقیق کو ''غشی گیری'' لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے لئے ''مغزِ سگاں'' کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ وہ باتیں ہیں جو نقاد حضرات خود اپنے قبیلے کے لوگوں کے بارے میں بھی لکھتے آئے ہیں لہٰذا اگر وہ تحقیق کو بنظرِ تحقیر دیکھتے ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے ''آلِ رضا کے سنِ ولادت کا تعین'' کرنے کے لئے تحقیق کے مروجہ اصولوں سے رہنمائی حاصل کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے ردّ و قبول کے مراحل طے کئے ہیں۔ اپنی اس تحقیق کے سلسلے میں وہ جن باتوں کو ضروری سمجھتے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے خیال میں کسی بھی شاعر کے سنِ ولادت کے تعین سے قبل تحقیق و تدوین کے اصولوں سے کماحقہٗ آگاہی، شاعر سے متعلق تمام معلومات سے واقفیت، شاعر سے متعلق دیگر پیش کردہ مواد پر مکمل دسترس اور ذہنی تجزیے کی صلاحیت نہایت ضروری ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن کے نزدیک کسی شاعر کے سنِ ولادت کا تعین بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس کی شاعری پر تنقید وتبصرہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کام کو محض ''کار بیکاراں'' قرار دے کر ایک طرف نہیں ڈالا جا سکتا چنانچہ انہوں نے دس بارہ صفحات کے اس مضمون میں ممکنہ حد تک ان تمام مآخذ تک رسائی حاصل کی ہے، جہاں سے انہیں متعلقہ مواد حاصل ہو سکتا تھا۔ مضمون کے آخر میں ۲۹ مآخذات کی فہرست مضمون نگار کی محنت شاقہ کی گواہی دیتی ہے۔ مضمون میں اس طریقۂ کار کی وضاحت بھی موجود ہے، جسے اختیار کر کے حتمی نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مضمون محض ایک شاعر کے سنِ ولادت کا تعین ہی نہیں کرتا بلکہ اس میں تحقیق کے جملہ اصولوں کو برتنے کا سلیقہ اور خالص تحقیق کا انداز ہمارے محققین کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔

------''

(ترجیحات، ص ۲۲۰)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن جدید دور میں رائج تنقید کے معیارات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ عصرِ حاضر میں یورپ کی تنقید میں ایک اہم رجحان یہ پنپ رہا ہے کہ وہ تخلیق کی اہمیت کے پیشِ نظر تخلیق کار کے جملہ کوائف کو پیشِ نگاہ رکھ کر تجزیہ کرتے ہیں۔ اردو میں غالباً ڈاکٹر سید شبیہ الحسن وہ منفرد نقاد ہیں جو تخلیق کار کے سوانحی کوائف کو خوب چھان پھٹک کر پیش کرتے ہیں۔ آپ ان کی کتابوں آغا صاحب، جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی اور قیصر اقلیم مرثیہ کا بغور مطالعہ فرمالیجیے، آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے اپنے ممدوحین کے تمام کوائف کو بڑی ہنرمندی سے یکجا کر دیا ہے۔ کوائف کی پیش کش میں بھی انہوں

نے دو طریقے وضع کیے ہیں۔

(ا) کسی بھی شخصیت کے کوائف جمع کرتے ہوئے ایک شہ سرخی وضع کرنا اور پھر اس کی جزئیات پیش کرنا مثلاً اپنی کتاب قیصر اقلیم مرثیہ میں انہوں نے قیصر بارہوی کے بارے میں جملہ معلومات بیان کرتے ہوئے کوائف، تعلیم، عقد، اولاد، ملازمت، سبکدوشی، ابتدائے سخن، نثری کاوشیں، تصانیف، ادب پروری، خطاب، اعزازات، اسفار، قیصر شناسی، رحلت، تدوین، آرا اور خراج تحسین کی شہ سرخیاں وضع کی ہیں پھر ان کے بارے میں تفصیلات پیش کر کے قاری کے لیے سوچ بچار کے کئی در وا کر دیے ہیں۔

(ب) اپنے ممدوح کے سوانحی حالات سن وار بیان کرنا۔ وہ زیر مطالعہ شخصیت کے سنِ ولادت سے بات شروع کرتے ہیں اور آخری سن تک پیش کر کے اس میں ہونے والے تمام اہم واقعات و معاملات اُجاگر کر دیتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ زیرِ تحقیق موضوع کا مطالعہ ارتقائی شکل میں ہو جاتا ہے مثلاً وہ اپنی کتاب ''آغا صاحب'' میں ڈاکٹر آغا سہیل کے سوانحی کوائف ''آغا سہیل۔ عہد بہ عہد'' کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے معروف نقاد ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے بارے میں لکھے گئے مضمون بعنوان ''ایک سنجیدہ فکر نقاد...... ڈاکٹر عبدالکریم خالد'' میں بھی یہی طریقہ وضع کیا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے اس طریقۂ کار کو بہت پذیرائی مل رہی ہے اور نئے لکھنے والے ناقدین اور محققین بھی اس طریقے کو اپنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اس طریقے کو اپنا کر اُردو شناس احباب کے لیے ایک نیا راستہ کھول دیا ہے اور اس کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے کم ہے۔

اگر ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا جائے اور تنقید کی مختلف قسمیں تلاش کی جائیں تو تاثراتی تنقید پر ضرور نگاہ جائے گی۔ تاثراتی تنقید میں بھی اُنہوں نے اپنی ہنرمندی اور فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے امتیاز پیدا کیا ہے۔ وہ عام طور پر متاثر ہو کر ادیب کی خوبیاں نہیں گنواتے بلکہ لفظوں کی پرتوں میں چھپے ہوئے مفاہیم کے گوہر تلاش کرتے ہیں اور اُن کی چمک دمک اور توصیف وتوضیح کرتے ہیں۔ اس طرح اُن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ تاثیر تو حاصل کرتے ہیں، اثر لیتے ہیں لیکن اُس اثر کے حسن وقبح پر روشنی ڈال کر ہمارے ساتھ اکثر بانٹ لیتے ہیں۔ یوں یہ بھی اُن کا ایک نسخۂ اکسیر جیسا کارنامۂ خاص بن جاتا ہے۔

ادیب کی تخلیقات کے پس منظر میں کئی عناصر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان عناصر کا تعلق ادیب کی نسل، ماحول اور لمحۂ تخلیق کے لمحۂ موجود کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ تاریخی طور پر تنقید کرنے والا اپنی تنقید میں ان عناصر کو ملحوظِ خاطر ضرور رکھے گا۔ وہ تنقید سے قبل ادیب کی ذات کا مطالعہ کرے گا اور اُس کی حیات کا سن وار جائزہ لے گا۔ اُس کی تخلیقات کو سن وار پرکھے گا اُس کے سوانحی حالات اور ماحول سے مکمل آگاہی حاصل کرے گا۔ جب وہ ان مراحل کو طے کرلے گا تو ازاں بعد اس پس منظر میں وہ تخلیقات کو اپنے ذہن کی کسوٹی پر پرکھے گا۔ کیونکہ ادیب جب کوئی ادب تخلیق کرتا ہے اُس وقت تین چیزیں اُس کے سامنے ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس تخلیق کے لیے اُس کے ماضی کا ماحول جس میں اُس نے پرورش پائی، اُس کا اثر ہوگا۔ دوسرا ادیب کا مزاج جو اُس کے خاندان کی وجہ سے ترتیب پاتا ہے اور آخر میں وجۂ تخلیق کے لیے لمحۂ موجود۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے کمال یہ کیا ہے کہ جس ادیب پر بھی انہوں نے اپنا تنقیدی قلم اٹھایا ہے پہلے اُس کے سوانحی کوائف بیان کیے ہیں۔ سوانحی کوائف سے تخلیقات کو پرکھنے میں

آسانی اس لیے ہو جاتی ہے کہ اس سے ادیب کے مزاج اور ماحول کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر آغا سہیل کے بارے میں وہ اس انداز سے رقم طراز ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

"------

ڈاکٹر آغا سہیل لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور زوال آمادہ لکھنؤ کی رونقوں کو اپنی نگاہوں میں سمیٹ کر پاکستان آ گئے ...... آغا سہیل کی ادبی زندگی کا آغاز لکھنؤ میں ہوا۔

------"

(تصریحات، ص ۱۳)

اس اقتباس کے بعد وہ ڈاکٹر آغا سہیل کا سنِ ولادت، خاندان، تعلیم، ملازمت، تصانیف، اعزازات، علمی خدمات کا سن وار جائزہ پیش کرتے ہیں۔

اگر ہم اُن کی کتاب "آلِ رضا کا فن غزل گوئی" کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ انہوں نے پہلے باب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(ا) حالات زندگی

(ب) سیرت و کردار

(ج) شعری ماحول

یہی تین حصے تاریخی تنقید کی بنیاد بنتے ہیں۔ ان تین اجزاء کے بغیر نقاد کسی ادیب کے بارے میں خیالات کرتے ہوئے سوچتے ہیں مگر جب شاعر یا ادیب کا ان تین اجزا کے تحت محاکمہ کیا جائے تو بات میں زیادہ وزن پیدا ہوتا ہے۔ یہی تاریخی تنقید کا مقصد اور ڈاکٹر شبیہ الحسن کے فن کا کمال ہے کہ وہ جب کسی ادیب کی تخلیقات کو اور دائرہ نقد و نظر میں لاتے ہیں تو اُس کے تمام پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ جو رائے بھی پیش کرتے ہیں وہ مدلل ہوتی ہے۔

اُن کی کتاب ''جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ'' دیکھیں اس کتاب میں انہوں نے جس انداز سے اُن کا جائزہ لیا ہے وہ اُن کے فنِ تنقید کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کتاب کے ''پہلے رُخ'' میں انہوں نے اسلم کولسری کے سوانحی کوائف درج کیے ہیں جس سے اسلم کولسری کی ذات کی تفہیم ہوتی ہے۔ ''دوسرا رُخ'' اُن کے شعری سفر کے آغاز کے بارے میں ہے۔

اس طرح ان دو ابواب کے مطالعے کے بعد قاری کے ذہن میں اسلم کولسری کے شعری نظریات واضح ہو جاتے ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی کے بارے میں بھی وہ اپنی کتاب ''سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'' میں اسی طرح کے سوانحی کوائف اور اُن کی تصانیف سن کر بتاتے ہیں۔ اس طرح سید وحید الحسن ہاشمی کے بارے میں اُن کی آراء اور تنقید میں گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے۔

شاعری میں لفظوں کی حیثیت مسلّم ہے۔ لفظ ہی وہ دروازہ ہے جس کے توسط سے ہم تخلیق کی معنوی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ اگر ہم اس دروازے اور دہلیز پر آ کر رُک جائیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے تو معانی و مفاہیم کی دنیا ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہے گی۔ جب ہم کسی ادبی فن پارے کو اسلوبیاتی نظر سے دیکھیں گے تو لسانی امتیازات کو زیرِ غور لائیں گے۔ ان امتیازات کی کئی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ صوتیات، تراکیب، علم بیان اور علم بدیع کا استعمال۔

اس طرح اسلوبیاتی تنقید کے لیے لسانی رموز سے آگاہی ضروری ہے تا کہ اسلوبیاتی تنقید سے قبل فن پارے کی لسانی تنقید کی جا سکے۔ یہی ایک فن کار اور ماہر نقاد کی علامت ہے کہ وہ فن پارے کی تنقید سے قبل اُس کے محاسنِ شعر و ادب پر روشنی ڈالتا ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کے ہاں بھی لسانی تنقید کا پہلو دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ جب کسی فن پارے کو ناقدانہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اُس کی لسانیات پر بطور خاص نگاہ ڈالتے ہیں۔ وہ سید وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری کے لسانی محاسن کے حوالے سے اپنی کتاب ''سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'' میں رقم طراز ہیں:

''-----

سید وحید الحسن ہاشمی کے سلاموں میں علمِ بیان اور علمِ بدیع کے نمایاں ارکان تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر تشبیہات اور صنعتِ تضاد کا برمحل استعمال اُن کے کلام کے لطف کو دوبالا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ وحید الحسن ہاشمی زبردستی شعری محاسن کو پیش کرنے کی سعی نہیں کرتے۔ جہاں ان صنائع بدائع کے استعمال سے شعر کے حسن میں اضافہ ہو وہاں وہ اسے استعمال کرتے ہیں۔

------''

(سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں، ص ۱۸۳)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اسلوبیاتی نظام میں لسانی خوبیوں پر نظر ڈالتے ہیں اور شعری محاسن کے ارکان کی اہمیت و افادیت کو سامنے لاتے ہیں۔ عام انداز سے ہٹ کر نئی تراکیب اور قوافی بھی شعروں کے حُسن میں تاثیر پیدا کرتے ہیں اور اس تاثیر کو ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنی ناقدانہ نظر سے الگ کر لیتے ہیں۔ اسلم کولسری کے بارے وہ اپنی کتاب ''جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ'' میں رقم طراز ہیں:

''-----

اسی طرح ان کی غزلوں میں ایک جانب تو سادہ اور عام فہم اسلوب بیان ملتا ہے تو دوسری جانب دقیق لب و لہجے کی بازگشت سنائی دیتی

ہے۔ایک جانب وہ چھوٹی اور مختصر ردیفوں سے اپنا مدعا بیان کرتے
ہیں تو دوسری طرف اُن کی منفرد اور یگانہ زمینیں قارئین کو ورطۂ حیرت
میں ڈال دیتی ہیں۔کہیں کہیں وہ سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور
کہیں صنائع بدائع سے شعوری سطح پر استفادہ کرتے ہیں۔
------"

(جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ ص ۱۷۵)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید کا ایک اختصاصی رُخ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے موضوع کے ساتھ ہمدردانہ روّیہ اختیار کرتے ہیں۔وہ ایک ماہر استاد اور زیرک وکیل کی طرح اپنے ممدوح کے محاسن کو تو خوب اُجاگر کرتے ہیں لیکن جہاں مناسب سمجھتے ہیں اس کے نقائص پر بھی گرفت کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بتایا گیا ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ایک دردمند نقاد ہیں۔یہی سبب ہے کہ سب سے پہلے تو وہ ان موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جن کی طرف مقتدر ناقدین کی نگاہ ہی نہیں جاتی۔آپ دیکھئے کہ درج ذیل شخصیات پر کتنے ناقدین نے مضامین تحریر کیے ہیں۔

(۱) خالد محمود امر (۲) ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
(۳) اختر ہاشمی (۴) وصی الحسن نقاش
(۵) آفتاب کاوش (۶) ڈاکٹر محمد صالح طاہر
(۷) ضیاء الرحمٰن فاروقی (۸) نسیم سیّد
(۹) اختر حسین تند خو (۱۰) فرقان قریشی
(۱۱) ڈاکٹر معراج نیّر (۱۲) عرفی ہاشمی

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے معروف ادیبوں اور شاعروں کی نسبت غیر معروف و کم

مقبول ادیبوں کو اپنا موضوع بنایا اور ان کی شخصیت اور فن کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کوشش کی کہ اپنے ممدوحین کی تخلیقی صلاحیتوں کی داد بھی دیں اور انہیں عزم و حوصلہ بھی عطا کریں کہ اگر آج معاشرہ ان کی قدر و منزلت نہیں کر رہا تو وہ پریشان نہ ہوں کہ آنے والا زمانہ ان کا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ نو آموز لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے اشعار کو نئے معانی عطا کیے اور ان کی نثری کاوشوں کی مدح سرائی کی۔ یہی چیز ادب پروری ہے۔ اگر آپ نئے لکھنے والوں کو عزم و حوصلہ دیں گے تو وہ معتبر تخلیق پیش کرنے کا عزم کرے گا اور اگر آپ آغاز ہی میں اس پر طنز کے تیر برسانے لگیں گے تو وہ حوصلہ ہار بیٹھے گا۔ خدا جانے کتنے ہی ایسے ادیب اور شاعر ہیں جن پر مضامین اور فلیپ لکھ کر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے انہیں علم و ادب کی شاہراہ پر گامزن کر دیا ہے۔ یہاں یہ امر محلِ نظر رہے کہ ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ہر تخلیق کار پر یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ ریاضت اور محنت کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہے۔ وہ اپنے مضمون ''شکیل جاذب کی شعری کھنک'' میں رقم طراز ہیں:

''------

جب کسی نوجوان اور خوبرو شاعر کا دلکش مجموعہ شائع ہوتا ہے اور اس کی توصیفی تقریب رونمائی منعقد ہوتی ہے تو ہم جیسے کمزور فکر ناقدین کی بن آتی ہے اور ہم اس شاعر کو میر و غالب کی شاعرانہ روایت کا حقیقی وارث اور امین قرار دے دیتے ہیں۔ میں بھی چند ثانیوں کے بعد شکیل جاذب کے مجموعہ کلام ''جب سانس میں گرہیں پڑتی ہیں'' کے بارے میں کچھ اسی قسم کے مدحیہ اور توصیفی خیالات کا اظہار کروں گا لیکن مجھے دانش مندوں کی یہ بات بڑی پسند ہے کہ اگر شکیل جاذب کی شاعری اسے

زندہ نہیں رکھ سکتی تو شبیہ الحسن کی رسمی تعریف شکیل جاذب کو کیسے حیات جاوداں عطا کر سکتی ہے؟؟

------"

(تصریحات، ص ۱۸۴)

ڈاکٹر شبیہ الحسن محض خود نو آموز تخلیق کاروں کی مدح سرائی نہیں کرتے بلکہ وہ عصرِ حاضر کے تمام ہوش مند اور با اعتبار ناقدین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ کلاسیکی تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے ادیبوں اور شاعروں کی پذیرائی بھی کریں تا کہ وہ بھرپور طریقے سے اپنا تخلیقی سفر جاری رکھیں۔ وہ اپنی کتاب "تصریحات" کے دیباچے میں دردمند ناقدین سے گزارش کرتے ہیں۔

"------

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہی تخلیق کار شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ پانے کے اہل ہوتے ہیں جو اپنی تخلیقات میں معاشرے کے کسی اہم مسئلے کو موضوع بناتے ہیں۔ اگر کسی تخلیق میں عصری حسیت موجود نہیں ہوتی تو وہ اہلِ بصیرت کی نگاہ میں قابلِ قدر اور لائقِ ستائش قرار نہیں پاتی۔ آج کے معتبر نقاد اور محقق کے لیے ضروری ہے کہ ایک جانب جہاں وہ میر و غالب اور میر امن و مرزا رسوا کی تخلیقات سے استفادہ کرے وہاں دوسری سمت اسے عصری رجحانات و میلانات کے حامل شعرا و نثر نگاروں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اور ان کی تخلیقات کی عصری حسیت سے معاشرے کو فیض یاب کرنا چاہیے۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ کلاسیکی شعر و ادب کے ساتھ ساتھ جدید رجحانات کے علمبردار ادب کا مطالعہ بھی ہر ذی ہوش ناقد کے لیے ضروری ہے۔ "تصریحات" کی تخلیق اور

اشاعت کا یہی جواز ہے۔

میں عام طور پر ''ستائش باہمی'' قسم کی تقریبات میں کم کم شریک ہوتا ہوں۔ یہی سبب ہے کہ میں فرمائشی قسم کے مضامین لکھنے ۔سے اجتناب کرتا ہوں تاہم مجھے جب بھی توفیق ایزدی عطا ہوتی ہے تو میں دوستوں کے لیے کلمۂ خیر کہنے سے کبھی گریز نہیں کرتا۔تصریحات کے یہ مضامین دراصل میرے محسنین اور کرم فرماؤں کی خدمت میں میری جانب سے ''کلمات خیر'' ہیں۔اس مجموعۂ مضامین کو مرتب کرتے ہوئے میں نے شعوری کوشش کی ہے کہ ان تخلیق کاروں کا انتخاب کروں جو بحمد اللہ حیات ہیں اور ان کی تخلیقات ہمارے لیے حیات بخش ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی شخص کی پذیرائی کا سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ اس کی حیات میں اس کے فن کے اسرار و رموز اجاگر کیے جائیں۔

------''

(تصریحات، ص۹)

عصر حاضر میں اسلوبیاتی تنقید کو ایک نئے تناظر میں سمجھنے اور سمجھانے کی کاوش کی جارہی ہے۔غالب نے کہا تھا کہ ان کی شاعری کا ہر لفظ گنجینۂ معنی کا ایک طلسم ہے اور یہ امر بالکل درست ہے کہ ہر لفظ اپنا ایک تہذیبی سیاق و سباق رکھتا ہے اور اگر اسے درست طریقے سے استعمال کر دیا جائے تو اس میں معنی کی کئی سطحیں اُجاگر ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن لفظ فہم اور لفظ شناس ناقد ہیں۔انہیں علم ہے کہ کون سا لفظ شاعری کے لیے موزوں ہے اور کونسا لفظ غیر مناسب۔اسی طرح وہ الفاظ کی نشست و برخاست اور بلاغتی و فصاحتی نظام سے بھی کما حقہٗ آگاہ ہیں۔عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ محض شاعر کو لفظ شناس ہونا چاہیے۔ڈاکٹر شبیہ الحسن کا واضح موقف یہ ہے کہ ہر تخلیق کار کو

الفاظ کے استعمال پر قدرت ہونا چاہیے۔ شاعر کی طرح اگر نثر نگار الفاظ کی تاثیر سے نا آشنا ہو جائے تو اس کی تخلیق بے اثر ہو جائے گی۔ شاعر کو کیوں کہ کم الفاظ میں اپنے بڑے موضوع کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے ہاں لفظوں کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر ہوتا ہے۔ وہ بندش الفاظ کو نگوں کی طرح جوڑتا ہے اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کاوش کرتا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا واضح موقف یہ ہے کہ لفظوں کا اپنا ایک صوتیاتی نظام ہے۔ غزل میں ژ۔ ڈ۔ ٹ۔ گ۔ ظ۔ وغیرہ کے حروف کم اثر پیدا کرتے ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو ان حروف کا استعمال ذہن پر گراں گزرنے لگتا ہے۔ انہوں نے ممتاز راشد کی غزل پر لکھے گئے ایک مضمون میں واضح کیا ہے کہ جو شاعر ڈ۔ ٹ وغیرہ کے الفاظ غزل کے مزاج سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں ان کی شاعرانہ صناعی کی داد دینا چاہیے۔ ایک ماہر لفظ شناس کی طرح ڈاکٹر شبیہ الحسن شعرا کے موضوعاتی مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس کے لسانیاتی مطالعہ اور اسلوبیاتی جہتوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور یہ وصف انہیں ہم عصر نقادوں میں با اعتبار بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کے تحریر کردہ دو مضامین سے مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

------"

نسیم سید کی شاعری میں طنزیہ لب و لہجہ اُس وقت عروج پر نظر آتا ہے جب وہ کسی معاشرتی ناہمواری کو بیان کرتی ہیں۔ نسیم سید کا ترش و تند لہجہ شعری متانت کو کمزور نہیں ہونے دیتا بلکہ بعض نظموں میں تو یہ کٹیلا لہجہ گفتار کی شیرینی لیے ہوتا ہے۔

(نسیم سید کی مکمل گواہی۔ تعبیرات، ص ۱۰۶)

"______

ضیاء الرحمٰن فاروقی کی نظمیں اپنے خاص اسلوب کے باعث قارئین کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتی ہیں۔ وہ محبوب کے سامنے ایک عجز پسند عاشق کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اور اُس کے در کا فقیر بن کر اپنے کاسۂ دل میں محبت کے خوش رنگ گلاب بھرنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔

______"

(ایک دردمند دل رکھنے والا شاعر، ضیاالرحمٰن فاروقی۔ تعریحات، ص ۲۲۵)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن ایک بالغ نظر نقاد ہیں۔ اُن کی تنقید کسی ایک حوالے پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ جب اصناف ادب میں کوئی صنف اُن کے دائرۂ تنقید میں آتی ہے تو وہ اُس کو ہر حوالے سے ناقدانہ انداز سے دیکھتے ہیں۔ اُس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اُن کا امتیاز یہ ہے کہ فن پارے کا جب وہ جائزہ لیتے ہیں تو اُس کے ایک ایک پہلو کو سامنے رکھتے ہیں اور تمام ممکنہ خوبیوں اور خامیوں کو پیشِ نگاہ لاتے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کے تمام تنقیدی اوصاف کا اس مختصر باب میں احاطہ کرنا راقم الحروف کے لیے ناممکن نہیں تو محال ضرور تھا۔ تاہم میں نے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق اس کو وادب سے جوئے شیر نکالنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس عمل میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔

◆◆◆

باب چہارم

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کا اختصاص

تخلیقی عمل تنقید کے بغیر اُدھورا رہتا ہے۔اس عمل کو پورا کرنے کے لیے تنقید کا سہارا لینا پڑتا ہے۔تخلیقی عمل میں کئی حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔تنقید ان پوشیدہ حقیقتوں کا پردہ چاک کرتی ہے۔اگر ہم تخلیق کو پھول سے تعبیر کریں تو تنقید اس کی خوشبو ہے۔تخلیقی عمل ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔اس تخلیقی عمل کی تفہیم کے لیے تنقید بھی ابد تک زندہ رہے گی۔وہ ناقدین جو حقیقی معنوں میں ناقدین کے درجے پر فائز ہیں اور تعمیری تنقید کے لیے کوشاں ہیں بلاشبہ زندہ رہیں گے۔

تنقید حقیقت کو منکشف کرنے کا عمل انجام دیتی ہے۔یہی سبب ہے کہ اس میں سچائی، خیر، نیکی اور تعمیر کا عمل پایا جاتا ہے۔ایک اچھے نقاد کے ہاں بھی یہ عمل واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔وہ عملاً اپنی زندگی میں بھی خیر اور نیکی کا مجسمہ ہوتا ہے۔وہ اپنی تنقید کے ذریعے بھی نسخۂ خیر لے کر آتا ہے۔یوں ایک نقاد اپنی زندگی میں تعمیر اور خیر کے عناصر کو بروئے کار لاتا ہے اور ازاں بعد اسے تنقید کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں تنقید کے جو رجحانات پیدا ہو رہے تھے ان میں بہت سے نئے لکھنے والے شامل ہوئے۔ان نئے ناقدین ادب نے اپنے افکار عالیات

کے ذریعے اس صنف کو زرخیز اور مالا مال بنایا اور اس کے موضوعات میں اضافہ کیا۔

گزشتہ ابواب میں ہم نے تنقید کی مختلف جہتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ جہات ادب میں اپنی حقیقت کے باعث زندہ ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کے تنقید کے حوالے سے ہم نے گزشتہ صفحات میں ان کی تنقیدی جہتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس باب میں مختلف تنقیدی جہات میں ڈاکٹر شید شبیہ الحسن کا اختصاص تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن ایک صاحب فہم و ذکا نقاد ہیں اس بات کی وضاحت گزشتہ ابواب میں ہو چکی ہے۔ بہت سے تخلیق کار ایسے بھی ہیں جنہوں نے ادبی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا لیکن اُن کے جانے کے بعد اُن کا نام بھی معدوم ہو گیا۔ اُن تخلیق کاروں کی تخلیقات بہت اچھی ہوتی ہیں لیکن اُن کے ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔ ''بڑے ناقدین'' کو میر وغالب اور اقبال سے ہی فرصت نہیں ہوتی لہٰذا اچھے تخلیق کار پردۂ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی خوبی یہ ہے کہ وہ گمنام تخلیق کاروں کی تخلیقات کا کھوج لگاتے اور اُن کی تخلیقات پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ تخلیق و تحقیق کے کٹھن مراحل سے گزرتے ہیں اور تخلیقات کو اُن کا صحیح مقام عطا کرتے ہیں۔ اس طرح چاپلوسی کے اس دور میں ڈاکٹر شبیہ الحسن اپنے دامن کو پاک رکھتے ہوئے یہ فریضہ انتہائی دیانتداری اور دانش مندی سے انجام دے رہے ہیں۔

دورِ حاضر میں تنقید کی صنف زیادہ ترویج نہیں پا رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناقدین اپنے اصول کو پیشِ نظر رکھنے سے گریز کر رہے ہیں۔ چند ناقدین ایسے ہیں جو اپنے اصولوں پر کوئی معاہدہ نہیں کرتے اور بے لاگ اپنی آرا پیش کرتے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر سلیم اختر، شمس الرحمان فاروقی اور ڈاکٹر شبیہ الحسن نمایاں ہیں۔ بڑے ناقدین جو بات کرتے ہیں اُس میں اُن کے تجربے کا رس بھی شامل ہوتا ہے اور

اُن کی ریاضت بھی۔ پہلے باب میں ہم نے ڈاکٹر شبیہ الحسن کے بارے میں اُن ناقدین کی آراء پیش کی ہیں جو اپنے افکار و نظریات کی بدولت آج بھی زندہ ہیں لہٰذا جب ہم ان بڑے ناقدین کی آرا کو اپنے ذہن میں جگہ دیتے ہیں تو ہمیں ڈاکٹر شبیہ الحسن کا مقام و مرتبہ متعین کرنے میں دیر نہیں لگی۔ ان ناقدین کی آراء سے ہم نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید میں کیا محاسن موجود ہیں اور اُن کی تنقید میں اس دور کی کن تنقیدی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید کی جہات پر پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں ہمیں ان کے تنقید کے اختصاصی پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن تنقید کے لیے اپنے ذہن میں ایک ترتیب بناتے ہیں وہ فن پارے کو دیکھتے ہیں اُس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالنے کی جلد بازی نہیں کرتے بلکہ سب سے پہلے تخلیق کار کی تخلیق کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ مطالعہ کرنے کے بعد وہ اُس تخلیق کے لیے اپنی آراء کو ذہن میں ترتیب دیتے ہیں اور آراء کو لکھنے سے پہلے اُس کو مستحکم کرنے کے لیے ثبوت اور دلائل کا کھوج لگاتے ہیں۔

وہ جب کسی تخلیق کار کی تخلیق کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی سوانح کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب سوانح کو قرطاس پر بصورتِ الفاظ پیش کرتے ہیں تو تخلیق کار کی ذات کا کوئی گوشہ گمنام یا پوشیدہ نہیں رہتا۔ اس سے تخلیق کار کی شخصیت اور اُس کی شخصی تحریکات کا پتہ چلتا ہے۔ جب ہم کسی تخلیق کو اس تناظر میں دیکھتے ہیں تو تخلیق کار کی تخلیق کا جواز سامنے آتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی جو رائے سوانح کے تناظر میں اور اس کی شخصی زندگی کے ارتقا کے پیشِ نظر مرتب کرتے ہیں اُس میں شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دائرہ تنقید میں جب تک تخلیق کے جواز کو تلاش نہ کر لیا جائے تو تنقید

کی بنیاد مستحکم نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید کے اختصاص کا پہلو یہ بھی ہے کہ جب کسی فن پارے کو اپنے ذہن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو اُس کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہیں پہلا موضوع اور دوسرا تکنیک لیکن اُن کا زیادہ دھیان موضوع کی طرف ہوتا ہے۔ وہ موضوع پر زیادہ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ شاید اُن کا موقف یہ ہے کہ لفظ اپنی جگہ اہم ہیں۔ اُن کی دروبست اپنی جگہ مسلم لیکن اصل جان موضوع کی ہوتی ہے۔ جس طرح جسم کی حقیقت سے انکار نہیں لیکن اصل چیز روح ہے جو لافانی ہے اسی طرح تحریر میں لفظ اپنی جگہ اہم، موضوع کی حقیقت سانس اور روح کے مترادف ہے۔ وہ لفظوں کی نباضی کرتے ہیں اور نبض کی دھڑکن سے موضوع کی تلاش کرتے ہیں۔ مختلف موضوع کو محسوس کرتے ہیں۔ اُن کو زیرِ بحث لاتے ہیں۔ اس طرح وہ لفظوں کے پردے چاک کرتے ہیں او رموضوعات کا کھوج لگا کر اُن پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تکنیک کا پہلو اُن سے پوشیدہ رہتا ہے یا وہ اس طرف دھیان کے پٹ نہیں کھولتے۔ وہ لفظوں کو بھی جانچتے ہیں اور لفظوں کی نشست و برخاست سے تخلیق کار کے مزاج اور اُس کے امتیازی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ بڑے ناقدین کی آراء کو چیلنج کرنا آسان کام نہیں اس لیے کہ اُن کی آراء میں تجربہ اور ریاضت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں ایک اور خوبی جو دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہی ہے۔ وہ جب بھی کسی تخلیق یا تخلیق کار کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو اپنی رائے کے ساتھ ساتھ دوسرے ناقدین کی آراء بھی تلاش کرتے ہیں، اُن کا کھوج لگاتے ہیں، اُن کی آراء اپنی تنقیدی آراء کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اپنی آراء کا موازنہ بھی کرتے ہیں۔ سب سے

بڑھ کر یہ کہ دوسرے معتبر ناقدین کی آراء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہیں۔اس سے ہم اُن کی ناقد نظری کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُن کی آرا بھی تجربے اور ریاضت پر اپنی بنیاد رکھتی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ اُن کا اندازِ نظر بنیادی طور پر معروضی ہوتا ہے۔وہ جب کسی فن پارے کا تجزیہ کرتے ہیں تو اُس کا معروضی جائزہ لیتے ہیں۔تمام تصورات، تعلقات سے بالاتر ہو کر اُس کی شخصیت او رتخلیق کو سامنے رکھ کر رائے پیش کرتے ہیں۔یہ پیش کردہ رائے شفاف اور ابہام سے مبّرا ہوتی ہے۔معروضی طور پر جائزہ لیتے ہوئے وہ اس کا تجزیہ سائنسی انداز میں کرتے ہیں۔سائنس میں کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے تجربہ وثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔بعدازاں اُس کو سندِ مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔وہ اپنی تنقید میں بھی سائنسی نقطۂ نظر سے کام لیتے ہیں تا کہ رائے صاف اور شفاف رہے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ شامل نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تنقید جن ستونوں پر استوار ہے اُن میں ایک بڑا استون اُن کی تنقید کا فلسفۂ خیر ہے۔جس طرح اقبال کی زیادہ تر شاعری فلسفۂ خودی کے گرد گھومتی ہے اسی طرح ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید "فلسفۂ خیر" کے گرد گھومتی ہے۔وہ جب کسی تخلیق کے بارے میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں تو اس میں خیر کا پہلو نمایاں طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔تنقید ہو، تخلیق ہو یا تحقیق ان میں انسان کی شخصیت کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں۔آپ ڈاکٹر شبیہ الحسن کی تنقید میں اُنکی شخصیت کا دخل ضرور دیکھتے ہیں اور یہ سب فلسفہ خیر ہے۔وہ دوسروں کے لیے نیکی، پیار، محبت، شفقت اور دل لگی کے جذبات رکھتے ہیں۔یہی جذبات اُن کے فنِ تنقید میں لفظوں کی صورت اختیار کرتے ہیں تو تنقید کا روپ دھار لیتے ہیں

بلاشبہ اسلوب کو تخلیق میں بنیادی حقیقت حاصل ہے اور تنقید میں بھی اسلوب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی تخلیقات کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا اسلوب سادہ مگر پرکار ہے۔ وہ نہایت سادہ لفظوں میں اپنی بات کا ابلاغ کرنا جانتے ہیں۔ اس سے قاری کو فائدہ ہوتا ہے کہ قاری مشکل بات کو آسان لفظوں میں سمجھ لیتا ہے اور یہ امتیاز ڈاکٹر شبیہ الحسن کے کھاتے میں جاتا ہے کہ وہ مشکل خیال کو آسان لفظوں میں قابل تفہیم و آگہی کے انداز میں ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ مشکل بات کو آسان بنانے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں اور ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن تنقید کرتے ہوئے کبھی بھی اپنے فرائض سے انحراف نہیں کرتے اور نپے تلے انداز میں فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین بھی کر دیتے ہیں۔ فن پارے یا تخلیق کا مقام و مرتبہ متعین کرتے ہیں جن میں کمی بیشی کے امکانات معدوم ہوتے ہیں۔

درج بالا نکات کی روشنی میں ہم اُن کی تنقیدی انفرادیت کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کی تنقیدی آراء میں شک کا پہلو نہیں نکلتا۔ وہ اپنی آراء کو مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں۔ فن پارے کی خوبیوں اور خامیوں کو نپے تلے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ نقطۂ نظر سائنسی رکھتے ہیں۔ آسان اسلوب نگارش کو مدنظر رکھتے ہوئے فلسفۂ خیر کو کبھی بھی فراموش نہیں ہونے دیتے اور فلسفۂ خیر کو رائج کرنے کی بھرپور سعی کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کے اواخر میں ہماری تنقید نے جو کروٹیں بدلی ہیں ان کو مدنظر رکھا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ اب تنقید ایک باضابطہ عمل بن گئی ہے اور اکیسویں صدی میں وہی نقاد شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ پائے گا جس کے افکار و نظریات منضبط ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے عہد کے ناقد کے لیے ایک اہم

اور بڑا مسئلہ یہ بھی درپیش ہے کہ وہ اب ایک گلوبل ولیج کا حصہ بن چکا ہے۔ اب اس کے نظریات ملکی سطح سے بلند ہو کر آفاقی حدوں کو چھو رہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ایک باشعور اور حساس نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عصری تقاضوں کو سمجھے اور ایسے نظریات وضع کرے جو علاقائی اور نظریاتی سرحدوں کی حدود و قیود کو توڑ دے۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن ان بلند فکر اور پاک بین نقادوں کی فہرست میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی تنقید کو کبھی سطحیت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے ہمیشہ آفاقی قدروں کا علم بلند کیا اور اپنے نظریات کے ذریعہ صاحبانِ دانش تک یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی کہ نظریہ جتنا پختہ اور پائیدار ہوگا اتنا ہی اثر انگیز ہوگا جو ناقدین وقتی فوائد کو دیکھ کر سطحیت کا شکار ہو جاتے ہیں انہیں سیلِ زمانہ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ آپ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کسی کتاب یا تنقیدی مقالے کا مطالعہ فرما لیجیے آپ دیکھیں گے کہ اس میں اخلاقی موعظت بھی ہوگی اور کسی نہ کسی بڑی سماجی قدر کی تزئین و آرائش بھی ملے گی۔ سچائی، خیر اور دانش مندی کی تلقین کرنے والے ناقد ڈاکٹر شبیہ الحسن کوئی مصلح تو نہیں لیکن انہیں علم ہے کہ اعلیٰ اخلاقی اقدار ہی معاشرتی ترقی کے ضامن ہوتے ہیں اور انہی اقدار سے اچھا ادب تخلیق ہوتا ہے۔

اب یہ بات بلاشک اور بلا تردد کہی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے علم و حکمت اور نیکی و خیر کا جو بیج صحرائے ادب میں بویا تھا اب وہ ایک چھتنار درخت بن گیا ہے اور اس کے سائے میں سینکڑوں شائقینِ علم و ادب سستا رہے ہیں۔ جب تک دنیا میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور ادب میں دانش مندی کی روایت موجود ہے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا نام اور کام زندہ بلکہ تابندہ رہے گا۔

◆◆◆

محمد آصف وٹو

کی زیرِ طبع کتب

- جلتی آنکھیں، بُجھتے خواب
  (افسانے)
- قربتوں کے موسم
  (ناول)
- پیمانِ وفا
  (شاعری)
- شبیہ شناسی
  (ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے بارے میں صاحبانِ دانش کے مضامین)



ڈاکٹر پروفیسر سید شبیہ الحسن کی شخصیت کئی جہات کی حامل ہے معلم، محقق، ناقد تو ہیں ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ نفیس طبیعت انسان اور لطیف مزاج ادیب بھی ہیں۔ دوستوں کی دل داری اور دل نوازی اضافی صفات ہیں۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے لیے زندگی کام کے مترادف ہے متنوع مصروفیات کے باوجود انہوں نے تحقیق و تنقید کی اتنی کتابیں کیسے تحریر کر لیں اور ان پر مستزاد سلیقے سے مرتب کی گئیں کتب۔ یقیناً ان کے قبضے میں کوئی جن ہے اگر ایسا نہیں تو پھر وہ خود ایک جن ہیں۔ بوتل میں بند نہیں بلکہ بوتل سے باہر۔ اب یہ جداگانہ بات ہے کہ سید شبیہ الحسن نے محنت ہی کو اپنے لیے ''بوتل'' بنا لیا ہے۔

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کو تعلیمی اور ادبی خدمات کے حساب میں متعدد اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ تازہ اعزاز جناب محمد آصف وٹو صاحب کی تالیف ''ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے تنقیدی رجحانات'' ہے۔ آصف وٹو صاحب نے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کے ذاتی کوائف کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمی، علمی اور ادبی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے معاصر اہل قلم میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین بھی کیا ہے۔ جہاں یہ کتاب ہم سے ایک مرد شریف کا تعارف کراتی ہے وہیں پر یہ سبق بھی دیتی ہے کہ زندگی میں روشنی کا باعث محنت ہی ہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھی تو روشن مثال ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر

۳۰ نومبر ۲۰۰۶ء